چالیس سال کی عمر کی قرآنی دُعا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾

[الاحقاف: ۱۵]

''یہاں تک کہ جب پہنچا (انسان) اپنی قوت کو اور پہنچ گیا چالیس برس کو، کہنے لگا: اے رب میرے! میری قسمت میں کر کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو تُو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام جس سے تُو راضی ہو اور مجھ کو دے نیک اولاد میری میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں ہوں حکم بردار۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح القدیر میں فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے اُسے یہ دعائیں کثرت سے پڑھنی چاہئیں۔

روزے کا فلسفہ

یہ بتایا ہے کہ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ یعنی روزہ تم میں تقویٰ و اصلاح کی محض قوتوں کو پیدا کرنے کے لیے فرض کیا گیا ہے۔ اسلامی علم الاخلاق میں تقویٰ اور روزے کی حیثیت ایک ہے۔ تقویٰ کے معنی تمام ممکن محاسن کا حصول اور تمام برائیوں سے احتراز۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ روزہ اخلاق و رُوح کی آخری معراج ہے۔ دیکھیے تو کامل ایک ماہ تک ضبط خواہش کتنا مشکل کام ہے لیکن مسلمان صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

خالص روحانی و اصلاحی تدبیر سے کھانے پینے کی بے اعتدالیوں اور بے ضابطگیوں پر ایک ناقدانہ نظر اور ان کا مکمل مداوا۔ روزے دار اور غیر روزے دار میں ایک محسوس اور بین فرق ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے ''روزے دار وہ ہے جو گالی گلوچ سے پرہیز کرے اور اگر اُسے کوئی مجبور کرے تو کہہ دے کہ میں صائم ہوں۔'' روزہ خالص اللہ کے لیے ہے۔ اس لیے اللہ فرماتا ہے۔ ''الصوم لی وانا اجزی بہ۔'' یعنی روزے دار بھوک پیاس کی تلخیوں کو صرف میرے لیے برداشت کرتا ہے۔ اس لیے میں اُسے مخصوص اجر سے نوازوں گا۔ یعنی مسلمان گرمیوں کے موسم میں جن کے ہونٹ سوکھ رہے ہوں یا پیاس کی شدت بے چین کر رہی ہو اور اس طاقت وسعت میں ہو کہ برفاب کے کوزے منہ سے لگا لے۔ مگر خدا سے ڈرتا ہے اور پیاس ہی کو آب سرد سمجھ کر پی جاتا ہے اور کامل ایک ماہ تک اس ریاضت کو جاری رکھتا ہے۔ تا کہ خدا کے لیے بھوک اور پیاس کی سختیوں کو برداشت کیا جا سکے۔ روزہ امیر اور غریب کو ایک ماہ کے لیے ایک سطح پر لے آتا ہے۔ سب خدا کی راہ میں بھوک اور پیاس کو برداشت کرتے ہیں۔ سحری سے افطاری تک سب بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ گویا روزہ مساواتِ انسانی کا ایک عظیم مظاہر ہے اور خالص تربیت ہے جس سے مقصود سال بھر کی تیاری ہے کہ روزہ دار غریبوں کی بھوک اور پیاس کا خیال رکھے۔ (مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی حفظہ اللہ

19 رمضان المبارک 1435ھ جمعۃ المبارک 18 تا 24 جولائی 2014ء

الاعتصام

ہفت روزہ

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 29 جلد 66

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ، لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

وقتِ دعا ہے

محمد سلیم چنیوٹی

۲ جون ۲۰۱۴ء کوفلسطین میں ایک اتحادی حکومت قائم ہوئی اور فیصلے کے مطابق محمود عباس کوصدر اور رامی حمد اللہ کو وزیر اعظم چنا گیا۔ فلسطینی صدر محمود عباس نے نئے وزیر اعظم سے حلف لیا۔ کابینہ کے چار ارکان حلف اُٹھانے کی تقریب سے اس لیے رہ گئے کہ اسرائیلی حکومت نے انھیں اپنے علاقے سے گزرنے نہ دیا۔ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو نے عالمی برادری سے کہا کہ وہ اس نئی عبوری حکومت کوتسلیم نہ کرے مگر امریکہ اور یورپی یونین نے اتحادی حکومت کوتسلیم کرلیا اوراس کے ساتھ مل کرکام کرنے کا بھی عندیہ دے دیا اوراس حکومت کو مالی امداد بھی دینے کا وعدہ کیا۔ اسی روز غزہ پراسرائیلیوں نے حملہ کر کے ایک فلسطینی کوشہید اور دوکوزخمی کیا۔ گزشتہ ماہ مغربی کنارے سے تین اسرائیلی نوجوان لاپتہ ہوگئے تھے۔ بس پھرکیا تھا اسرائیلی حکومت نے ان کا اغوا فلسطینیوں پرڈالتے ہوئے ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے شروع کردیے۔ تقریباً چار سو سے زیادہ فلسطینی مسلمان گرفتار اور کئی فلسطینی علاقوں مثلاً الخلیل، نابلس، بیت اللحم، عابدہ کیمپ، قلقیلیہ میں کریک ڈاؤن کر کے وہاں تشدد اور مار دھاڑ کی گئی۔ اسرائیل کے وحشی فوجیوں نے اپنے ساتھ کھوج لگانے والے کتے بھی رکھے تھے اور اُنھوں نے مسلمانوں کے گھروں، دکانوں، ہوٹلوں، ریستورانوں حتیٰ کہ قبرستان تک کی تلاشی لیتے رہے۔ تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ فلسطین کے مسلمان ایک مرتبہ پھر اسرائیلی جارحیت کا نشانہ بن رہے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسرائیلی جارحیت کوئی نئی بات نہیں۔ اسرائیل جب چاہے اور جس وقت چاہے نہتے فلسطینیوں کو آگ وخون کے دریا میں نہلا دیتا ہے۔ گزشتہ دنوں ایک چھوٹے سے واقعے میں چار اسرائیلی قتل ہوگئے اور ایک فلسطینی شہید ہوا تو اس واقعے کو بنیاد بنا کر اسرائیلی حکومت نے حماس تنظیم کونشانہ بناڈالا، اس کے دفاتر اور غزہ کے نہتے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا کہ بیسیوں بچے، خواتین اور نوجوان شہادت کے بلند مرتبے پر پہنچادیے گئے۔ ازاں بعد اسرائیلی طیاروں نے بمباری کرتے ہوئے فلسطینی علاقوں خان یونس، غزہ کی پٹی اور ایک کیفے میں موجود فٹ بال دیکھتے جوانوں کونشانہ بناتے ہوئے شہید کردیا۔ یہودیوں نے یہیں پر بس نہیں کیا اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو نے اپنے جارحانہ اندازِ تخاطب سے کہا کہ اب حماس کوچھٹی کا دودھ یاد دلایا جائے گا۔

دوسری جانب مسلم اُمہ خود متحد نہیں اور نہ پورے فلسطینی یک جان و یک آواز دکھائی دیتے ہیں، پوری دنیا سے یہودیوں کو جب سے اسرائیلی آبادی میں لاکر بسایا گیا ہے تب سے وہاں فساد ہی برپا ہو رہا ہے اور جب بھی اسرائیلیوں کوموقع ملتا ہے وہ فلسطینی مسلمانوں کو روندنا شروع کر دیتے ہیں حالیہ حملوں میں جوشہادتیں ہوئیں ان کا تقاضا تو یہ ہے کہ مسلم اُمہ کسی ایک مؤقف پر قائم ہوکر اسرائیلی حکومت کی ناک میں دم کرے اور اس کی جارحیت کا سدباب بھی کرے۔ لیکن افسوس کہ مسلم اُمہ کی یہ ریت ہے اور نہ ہی اس سے اُمید۔ بہرحال اللہ کریم فلسطینی مسلمانوں کی شہادتیں قبول کرے اور زخمیوں کوصحت سے نوازے۔ آمین

....

شمالی وزیرستان میں عساکر پاکستان نے قیامِ امن اور مستحکم پاکستان کی غرض سے جوفوجی آپریشن ''ضربِ عضب'' شروع کیا ہوا ہے۔ اب تک کی رپورٹوں کے مطابق اس میں اب تک زیادہ غیرملکی، ہلاک ہوئے ہیں یعنی غیرملکی (اور غالباً غیرمسلم بھی) علاقہ مذکور سے عساکر پاکستان کے ترجمان کے مطابق کئی اسلحہ ساز فیکٹریاں اور بھاری مقدار میں بم، بارود اور خودکش جیکٹس برآمد بھی کی گئی ہیں۔

پاکستانی عوام منتظر ہیں کہ یہ سلسلہ آپریشن جلد از جلد ختم ہو اور وزیرستان سے ہجرت کرنے والے مرد وخواتین جو لاکھوں کی تعداد میں ہیں پھر سے

وہاں امن وسکون سے زندگی گزاریں اوراپنے گھروں کو پھر سے آباد کریں ۔ جہاں تک ہجرت کرنے والے افراد کی امداد کا تعلق ہے ۔اطلاعات کے مطابق ان کی بھرپورامداد جاری ہے ۔لیکن یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ دہشت گردوں کی نقل وحمل بدستور جاری ہےاورمزید کئی علاقوں سے ان کی گرفتاری مع اسلحہ عمل میں آئی ہے۔سیکیورٹی انتظامات کا جہاں تک تعلق ہے ۔یہ حکومت کے ارباب اختیار ہی خوب جانتے ہیں۔ ہفتہ ۱۲؍جولائی ۲۰۱۴ء کوافغانستان کی سرحد سے طالبان نے ایک افسوسناک حملہ کے ذریعے پاک فوج کا مزید نقصان کیا ہے۔اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

عساکرِ پاکستان کواس وقت محبّ وطن لوگوں کی حمایت حاصل ہے اوریہی کامیابی کی کلید ہے کہ افواج پاکستان نے اللہ تعالیٰ کی نصرت، جذبہ شہادت اورعسکری صلاحیت کے ساتھ ملک دشمن عناصر کوقابوکرنے میں کوشاں ہے اور پورے ملک میں امن کے منصوبوں کو بروئے کار لا رہی ہے۔ دوسری طرف ہمیں افسوس ہوتا ہے اُن سیاسی گروپوں اورسیاسی عناصر پر جوانتہائی نازک موقع پر اپنی سیاسی دکان داریاں چمکانے میں مصروف ہیں اوروہ اس قدر بےحس ہیں کہ ایک نازک صورت حال سے گزرتے وطن عزیز کے نازک حال پر رحم کرنے کی دانائی سے بھی لاپرواہیں انھیں چاہیے کہ وہ اپنی سیاسی سرگرمیاں اوراپنے خودساختہ انقلاب برپا کرنے کے نعرے فی الحال ملتوی رکھیں۔''ضربِ عضب'' آپریشن سے کسی ایک فرد یا پارٹی کا مفادوابستہ نہیں ہے بلکہ پوراملک اور پوری قوم کواس سے فائدہ ہونے کی توقعات ہیں۔ بہرحال ہماری استدعا ہے کہ آپریشن کوجلد مکمل ہونا چاہیےاوراس کے اثرات سے پوری قوم کوآگاہ کرنے کی بھی شدید ضرورت ہےاورتخریب کاروں پرغیرملکی طاقتوں اوران کو ملنے والی غیرملکی امداداور اسلحے کی تفصیلات سے اگرعوام کے ذریعے مطلع کردیا جائے تو یہ عساکر پاکستان کے ترجمانوں کا قوم پراحسان ہوگا۔تحفظ پاکستان کا جوبل اسمبلی نے پاس کیا ہےاس کا تقاضا ہے کہ چہاراطراف آنکھیں کھول کررکھی جائیں کہ دشمن کہیں سے بھی وار کرنے سے بازنہیں آئے گا۔

....

رمضان المبارک کا مہینہ نہایت ہی بابرکت مہینہ ہے۔اس میں مسلمانوں کی عبادت اورریاضت میں دلچسپی اوررغبت دیگر مہینوں کی نسبت بڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔اس دفعہ یہ ماہِ مبارک سخت گرمیوں کے موسم اور جولائی کے مہینے کی مشہورگرمیوں میں مسلمانوں پرآیا ہے۔دوسری طرف واپڈا کی ''مہربانیاں'' بھی کیسے کیسے جلوے دکھارہی ہیں کہ طویل اور وحشت ناک لوڈ شیڈنگ میں نہ پانی میسر ہےاور نہ روشنی ہی عوامی دسترس میں رہی۔حکومت وقت کے یہ دعوے بھی ہواؤں میں تحلیل ہوچکے ہیں کہ سحر وافطار کے وقت لوڈشیڈنگ نہیں ہوگی۔جان لیوا گرمی اورحبس زدہ ماحول میں بجلی کی طویل بندش......کیا یہی خوش حال حکومتوں کی روش ہوتی ہے؟اس سخت گرم موسم میں جہاں بجلی نہ دارد،بعض علاقوں میں قدرتی گیس بھی نایاب، پانی کی عدم دستیابی، پھراشیائے خوردونوش کے نرخ جوعام آدمی کی قوتِ خرید سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔آٹا ناقص، گوشت غیرصحت مند، پھلوں اورسبزیوں کے بلند نرخ سفید پوش عوام کومزید پریشان کررہے ہیں۔

ہماری حکومت کے کارپردازان سے گزارش ہے کہ رمضان المبارک میں توعوام کے حال پر رحم کریں۔ جہاں تعمیراتی منصوبوں کے بڑے بڑے پراجیکٹس عوام میں متعارف کروائے جارہے ہیں۔طویل موٹروے،طویل میٹروبس ٹریکس بنائے جارہے ہیں وہاں عوام الناس کی سہولت کے لیے بجلی کی فراہمی، پانی کی دستیابی اورگیس جیسی نعمت کوبھی رواں رکھا جائے تاکہ سحروافطار کے وقت کوئی علاقہ ان نعمتوں سے محروم نہ رہے۔ ورنہ رمضان المبارک میں مسلمان کثرت سے اپنے اللہ پروردگار سے دعائیں مانگتے ہیں کہیں آپ کے لیے دعاؤں کی جگہ بددعائیں نہ شروع کر دیں۔اللہ ہمارے دلوں کا حال خوب جانتا ہےآپ بھی دل وجان سے عوام کے لیے سرگرم ہوجایئے۔اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا، بہر حال یہ وقتِ دعا ہی ہے۔

درس قرآن

قسط نمبر ۶۲

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ۝ وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۝ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝﴾

[الصّٰفّٰت: ۱۰۳-۱۰۵]

''تو جب دونوں نے حکم مان لیا اور اس نے اسے پیشانی کی ایک جانب پر گرا دیا۔ اور ہم نے اسے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تُو نے خواب سچا کر دکھایا، بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔''

﴿فَلَمَّآ اَسۡلَمَا﴾ جب باپ بیٹے دونوں نے حکم تسلیم کرلیا۔ ''اسلم'' کے معنی مطیع ہونے، جھک جانے اور تسلیم کر لینے کے ہیں۔ اس میں زبان سے اقرار کے ساتھ دلی طور پر تسلیم کر کے عمل کا تقاضہ پورا کرنے اور قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو پہلے سے تسلیم و رضا کا عہد کر چکے تھے:

﴿اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾

[البقرۃ: ۱۳۱]

''جب اس سے اس کے رب نے کہا: فرماں بردار ہو جا، اس نے کہا: میں جہانوں کے رب کے لیے فرماں بردار ہو گیا۔''

حکم ہوا کلمہ حق بلند کرو، قوم و برادری میں حتی کہ نمرود کے سامنے بھی یہ حق کہہ دیا، حکم ہوا آگ میں کود پڑو، کود پڑے۔ حکم ہوا وطن و قوم کو چھوڑ دو، چھوڑ دیا۔ اَسی (۸۰) سال کی عمر میں حکم ہوا ختنہ کرو، کر دیا۔ حکم ہوا بیوی اور نونہال کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آؤ، چھوڑ آئے۔ حکم ہوا اب اس کے گلے پر چھری چلا دو تو اس کے لیے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا۔ وہ جو کسی نے کہا ہے کیا خوب کہا ہے:

'' قلبه للرحمان، وولده للقربان، وبدنه للميزان، وماله للضيفان. ''

''ان کا دل اللہ کے لیے، بیٹا قربانی کے لیے، جسم آگ کے لیے اور ان کا مال مہمانوں کے لیے۔''

تسلیم و رضا کی اس داستان میں اب بیٹا بھی ان کا ہمنوا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اسلما'' کے معنی ہیں کہ دونوں نے اللہ کی توحید کی گواہی دی، کلمہ شہادت پڑھا، اللہ کو یاد کیا، باپ بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے اور بیٹا آغوش موت میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ امام مجاہد، عکرمہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے اور اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ اور اپنے باپ کے فرماں بردار ہو گئے۔ حضرت ابن مسعود، ابن عباس اور علی رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین کرام اسے ''فَلَمَّا سَلَّمَا'' پڑھتے تھے اس کے معنی ہیں کہ انھوں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا گویا سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔

﴿وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ﴾ اور اس نے اسے پیشانی کی ایک جانب پر گرا دیا۔ ''تل'' کے معنی بلند جگہ یعنی ٹیلہ کے ہیں۔ اور ﴿وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ﴾ کے معنی ٹیلے پر لٹا دینے کے ہیں۔ جیسے ''تربه'' کے معنی کسی کو زمین پر گرانا ہے۔ (مفردات)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''منیٰ میں پتھر پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا گیا تھا۔'' اس اثر سے بھی ''تل'' کے اصل مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

﴿لِلۡجَبِيۡنِ﴾ یہاں ''ل'' بمعنی ''علی'' جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴾[الاسراء: ١٠٧]

''وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ ﴾[یونس: ١٢]

''اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر ہمیں پکارتا ہے۔''

اور ﴿لِلْجَبِیْنِ﴾ کے معنی ہیں پیشانی کا کنارہ، پیشانی کے دونوں طرف کے کناروں کو ''جبینان'' کہا جاتا ہے اور ان دونوں کے مابین جگہ کو ''جبهة'' (پیشانی) کہتے ہیں۔ (مفردات)

یعنی کروٹ پر لٹا دیا کہ پیشانی کا کنارہ زمین کو لگ رہا تھا۔ جیسے جانور کو ذبح کے وقت لٹایا جاتا ہے۔

بعض نے اس کے معنی پیشانی پر اوندھے منہ زمین پر لٹا دینا مراد لیا ہے۔ مگر:

"هذا خطأ لان الجبين غير الجبهة ."

(التفسير الكبير)

''یہ غلط ہے کیوں کہ پیشانی کا کنارہ (جبین) پیشانی نہیں ہے۔''

علامہ زبیدی نے اپنے شیخ سے گو مجازاً اس سے ماتھا مراد لینا درست قرار دیا ہے۔ مگر اس کا مجازاً استعمال قرینہ کے بغیر درست نہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن عاشور (٢٣/٦٦)۔

اور بعض آثار میں جو منقول ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اوندھا لیٹانے کی بات بہ طور احتیاط کی تھی کہ مبادا شفقت پدری جوش میں نہ آجائے۔ تو یہ آثار قابل اعتبار سند سے ثابت نہیں۔ ویسے بھی جو باپ تسلیم و رضا میں ذبح کرنے کے لیے آستینیں چڑھالے وہ اس قسم کی تسلیوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ انھیں پیشانی، یعنی ماتھے کے بل یا سجدہ کی حالت میں نہیں بلکہ کروٹ پر پیشانی کی ایک جانب لٹایا گیا تھا۔

محل قربانی:

کہاں لٹایا گیا اور قربانی کس مقام پر پیش کی گئی؟ اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ منٰی میں جمرات کے قریب ثبیر پہاڑ کے پتھر پر قربانی دی گئی۔

(تاریخ مکہ للازرقی: ٢/١٧٥، القری لقاصد ام القری، ص: ٤٠٨)

مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج کا حکم دیا تو شیطان نے سعی کی جگہ میں ان کے ساتھ دوڑ لگائی، ابراہیم علیہ السلام اس پر سبقت لے گئے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام انھیں جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے تو شیطان پھر ان کے سامنے آیا۔ اُنھوں نے اسے سات کنکریاں ماریں، پھر جمرہ وسطیٰ پر ان کے سامنے آیا تو اُنھوں نے اسے سات کنکریاں ماریں اور اسی مقام پر (اسماعیل علیہ السلام کو) پیشانی کی ایک جانب پر گرایا۔ اسماعیل علیہ السلام نے سفید قمیص پہن رکھی تھی۔ اُنھوں نے عرض کیا: اے ابا جان! آپ کے پاس مجھے کفن دینے کے لیے اور کوئی کپڑا نہیں آپ اسے اتار لیجیے تا کہ آپ مجھے اس میں کفنا سکیں۔ وہ قمیص اتارنے کے لیے تیار ہوئے تو انھیں پیچھے سے آواز آئی: اے ابراہیم! یقیناً تم نے خواب سچ کر دکھایا۔ (مسند امام احمد: ٢٩٧)

یہ روایت طبرانی کبیر اور ابن جریر میں بھی مروی ہے۔ علامہ ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد (٣/٢٥٩، ٨/٢٠٠، ٢٠١) میں نقل کیا ہے اور ایک جگہ فرمایا ہے: "رجاله ثقات." (اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔) اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

"رجاله رجال الصحيح غير ابن عاصم الغنوي وهو ثقة ."

''اس کے سب راوی صحیح بخاری و مسلم کے ہیں سوائے ابو عاصم غنوی کے، وہ ثقہ ہے۔''

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے بھی تعلیق المسند (رقم: ٢٧٠٧) میں فرمایا ہے: ''اسنادہ صحیح'' (اس کی سند صحیح ہے۔)

اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ محل قربانی منٰی ہے۔ یہ بات بھی عجیب ہے کہ جن آثار میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح کہا گیا ہے ان میں بھی محل قربانی منٰی ہی ذکر ہوا ہے۔ اس کے برعکس علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی میں اور مولانا حمید الدین فراہی "الرأي الصحيح" میں اور

مولانا شبیر احمد عثمانی محل قربانی مروہ قرار دیتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے بھی ایک قول ''قیل'' کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ محل قربانی مکہ میں ''مقام'' کے پاس ہے۔مگر یہ موقف درست نہیں۔

علامہ فراہی کے استدلال کی بنیاد یہ ہے آنحضرت ﷺ نے مروہ کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ ''المنحر'' اصل قربان گاہ ہے۔حالانکہ روایت کے مکمل الفاظ یوں ہیں:

"ان رسول اللّٰه ﷺ قال بمنى: ((هذا المنحر، وكل منى منحر.)) وقال في العمرة: ((هذا المنحر- يعني المروة- وكل فجاج مكة وطرقها منحر.))"

(موطأ، ص:۳۱۵. دارالحدیث مصر)

''رسول اللہ ﷺ نے منی میں فرمایا: یہ ''المنحر'' ہے اور سارا منی قربان گاہ ہے۔اور عمرہ میں فرمایا: یہ ''المنحر'' ہے یعنی مروہ منحر ہے اور مکہ کی سب گلی بازار قربان گاہ ہے۔''

موطأ میں یہ روایت بلاغًا ہے۔علامہ ابن حزم نے حجۃ الوداع (رقم:۱۶۵) میں اسے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔اور عمرۃ القضاۃ میں مروہ پر قربانی کا ذکر طبقات ابن سعد (۱۲۲/۲) وغیرہ میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عمرہ میں قربانی مروہ پر اور حج میں منیٰ میں کرتے تھے۔(بیہقی:۱۰۲/۵، نیز ملاحظہ ہو: فتح الباری:۵۵۲/۳)

اسی طرح ﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ اور ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ سے اس پر استدلال بھی عجیب ہے۔حالانکہ ''مروہ'' بیت عتیق سے خارج ہے۔ بیت اللہ الحرام میں شامل نہیں۔ ان آیات کا مصداق بالاتفاق حرم مکہ مکرمہ ہے۔(احکام القرآن للجصاص:۳۰۰/۳) اور منیٰ حرم مکہ میں شامل ہے۔

ثانیاً: تمتع کے علاوہ جزائے صید ہو، فدیہ اذی ہو یا رکاوٹ کی وجہ سے قربانی ہو تمام کا محل قربانی یہی حرم ہے اس سے باہر نہیں۔

اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ تورات کے بیان سے بھی یہ استدلال کیا گیا کہ اس میں محل قربانی ''موریا'' یا ''مورہ'' مذکور ہے اور یہ مروہ سے تحریف ہے۔سبحان اللہ! حالانکہ جو لوگ تورات میں اسماعیل سے اسحاق بنا سکتے ہیں ان کے لیے منیٰ کی بجائے مورہ بنا دینا کیوں کر بعید ہے؟ افسوس ہے کہ تورات میں ایک تو تحریف کا اعتراف ہے اور پھر تحریف کے سہارے سنن و آثار سے انحراف، تحقیق جدید کا شاہکار بتلایا جاتا ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی نے بھی قصص القرآن (۱۵۸/۱) میں منیٰ ہی کو محل قربانی قرار دیا ہے۔علامہ قرطبی نے یہی قول حضرت ابن عباس ابن عمر، محمد بن کعب اور سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔

احکام و مسائل

لیلۃ القدر؛ فضائل، مسائل اور اعمال

قاری سہیل رشید (فاضل دارالعلوم المحمدیہ، ریلوے لوکو ورکشاپ، لاہور)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے انتہائی پیار اور محبت کرنے والے ہیں اس کی شفقت و مہربانی کے مختلف انداز اور طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے بچانے اور دونوں جہانوں میں عزت و شرف سے نوازنے کے لیے کئی ایسے اسباب و ذرائع پیدا کر رکھیں ہیں کہ جن کو بروئے کار لا کر بندہ اس کا محبوب و مقرب بن سکتا ہے انھی ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ ماہ رمضان ہے۔ اور پھر اس رمضان میں بھی ایک ایسی عظیم رات ہے جو سال بھر کی راتوں سے افضل و اعلیٰ ہے اس رات کی فضیلت اور اس سے متعلق چند مسائل و اعمال حسب ذیل ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰـہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿ۖ۱﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ؕ﴿۲﴾ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ؕ﴿ؔ۳﴾ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۛ﴿ۙ۴﴾ سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ٪﴿۵﴾﴾[القدر: ۱-۵]

''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اِذن سے ہر حکم لے کر اُترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔''

اس رات میں قرآن کریم کا نزول، اس کا ہزار مہینوں سے بہتر ہونا، اس رات میں فرشتوں کا پیغامات الٰہیہ کا لے کر اُترنا اور پھر ساری رات کا سلامتی والا ہونا اس رات کی اہمیت کو خوب اُجاگر کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اسی رات کے لیے ''مبارکہ'' کا لفظ بھی استعمال کیا گیا۔ فرمان خداوندی ہے:

﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ﴾[الدخان: ۳]

''بے شک ہم نے اِسے (قرآن) ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔''

اس سے پتا چلتا ہے کہ لیلۃ القدر کا نام لیلۃ مبارکہ بھی ہے۔

اس رات کی بڑی فضیلت ہے۔ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینا آیا تو نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! تم پر رمضان کا بابرکت مہینا آ گیا ہے، اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کیے ہیں، اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے، اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔''

(سنن نسائی، حدیث: ۲۱۰۸)

اسی رات کی فضیلت کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس کسی نے قدر کی رات کا قیام، حالت ایمان اور نیک نیتی سے کیا تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

(صحیح بخاری، حدیث: ۲۰۱۴)

شب قدر کا ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مفہوم مندرجہ ذیل ہے:

امام مجاہد فرماتے ہیں:

''اس رات کا نیک عمل، اس میں پڑھی گئی نماز اور اس کا روزہ ہزار مہینوں کے روزوں اور نماز سے افضل ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۳۰-۵۳۵)

امام ابن جریر طبری نے بھی اسی قول کو پسند فرمایا ہے۔ (تفسیر طبری: ۱۲/ ۱۶۶-۱۶۸)

شب قدر رمضان کے کس عشرے میں ہے؟

قدر کی رات رمضان کے آخری عشرے میں ہے۔ کئی روایات سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے چند اصحاب کو شب قدر، خواب میں رمضان المبارک کی سات آخری تاریخوں میں دکھائی گئی تھی اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے سب کے خواب سات آخری تاریخوں پر متفق ہوگئے ہیں، اس لیے جو شخص اس رات کو پانا چاہے وہ اسے آخری طاق راتوں میں تلاش کرے۔''

(صحیح بخاری، حدیث: ۲۰۱۵)

اسی طرح سے ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے جناب رسول کریم ﷺ کے اعتکاف کے بارے میں دریافت کیا تو اُنھوں نے جواب دیا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ رمضان کے دوسرے عشرے میں اعتکاف میں بیٹھے، پھر بیس تاریخ کی صبح کو آپ ﷺ اعتکاف سے نکلے اور ہمیں خطبہ دیا:

''مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی، لیکن بھلا دی گئی۔ یا آپ ﷺ نے فرمایا: میں خود بھول گیا۔ اس لیے تم اسے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

(صحیح بخاری، حدیث: ۲۰۱۶)

جناب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ ہمیں شب قدر کی خبر دینے کے لیے تشریف لا رہے تھے کہ دو مسلمان آپس میں جھگڑا کرنے لگے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمھارے پاس آیا کہ تمھیں شب قدر کے بارے میں بتا دوں، لیکن فلاں فلاں نے آپس میں جھگڑا کیا، پس اس کا علم اُٹھا لیا گیا اور اُمید ہے کہ تمھارے حق میں یہی بہتر ہوگا، سوتم اس کی تلاش آخری عشرے کی نو یا سات یا پانچ راتوں میں کیا کرو۔'' (صحیح بخاری، حدیث: ۲۰۲۳)

آخری عشرے کی طاق راتیں ۲۹، ۲۷، ۲۵، ۲۳ اور ۲۱ ہیں۔

کیا شب قدر کی تخصیص کسی طاق رات کے ساتھ ممکن ہے:

اس کے متعلق علمائے کرام کے بہت سے اقوال ہیں جن کی تعداد چھیالیس کے قریب ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان اقوال کو جمع کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

''صحیح ترین بات یہ ہے کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کیا جائے۔ کسی ایک طاق رات کے ساتھ اسے خاص کرنا درست نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ((التمسوا)) اور ((تحروا ليلة القدر فى العشر الاواخر من رمضان.)) اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ یہ رات ہر سال مختلف ہوتی ہے اور اس رات کی تعیین نہیں ہے۔'' (فتح الباری)

شب قدر پانے والا کیا کرے؟

ایسا شخص کثرت کے ساتھ توبہ و استغفار کرے کیوں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اگر میں یہ رات پالوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو:

((اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ.)) (سنن ترمذی، رقم: ۲۰۱۳)

''اے پروردگار! بلاشبہ تُو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، مجھے بھی معاف فرمادے۔''

لیلۃ القدر کی نشانیاں:

یہ رات بالکل صاف اور اتنی روشن ہوتی ہے گویا چاند چڑھا ہوا ہے، اس میں سکون اور دل جمعی ہوتی ہے، زیادہ سرد ہوتی ہے اور نہ ہی زیادہ گرم، بلکہ موسم خوش گوار رہتا ہے، صبح تک ستارے نہیں جھڑتے، مزید فرمایا:

''اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس صبح کو سورج کی تیز شعاعیں نہیں ہوتیں بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح صاف ہوتا ہے۔'' (مسند احمد: ۵/۳۲۴)

تنبیہ: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لیلۃ القدر صرف اصحاب اعتکاف ہی کو میسر آتی ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے، بلکہ جو کوئی بھی، خواہ اعتکاف بیٹھا ہو یا نہ بیٹھا ہو، اس رات کو پانے کی جستجو کرے گا اس کو یہ رات نصیب ہو سکتی ہے۔

آخری عشرہ اور نبی رحمت ﷺ کی حالت:

صدیقہ کائنات عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب رمضان کا آخری عشرہ آجاتا تو نبی مکرم ﷺ عبادت کے لیے کمر بستہ ہو جاتے۔ ان راتوں میں خود بھی جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔''

لیکن افسوس! آج کے مسلمان اتنے قیمتی ایام کو بھی عام دنوں کی طرح خواب غفلت میں گزار دیتے ہیں خاص طور پر آخری عشرے کو تو عید کی تیاریوں کے سلسلے میں بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے اور ہمیں پورا رمضان اور بالخصوص آخری عشرے کی قدر و منزلت جان کر توشۂ عاقبت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔



بقیہ: قبر پرستی اور اس کے اسباب

آتی ہے؟ یا شاید انھی محفلوں کا اثر ہے کہ وہ مذہب سے بے گانہ اور بددل ہوتے جاتے ہیں۔

ان پیروں کو سمجھالو:

اولیاء کی تعظیم کے نام پر بہت کچھ ہوتا ہے، کئی جعلی پیر دندناتے پھر رہے ہیں جنھوں نے خدا کے نیک بندوں کی ساکھ بھی تباہ کر دی ہے ہم کچھ عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ میں ایسے مسلکِ مجوزین کے اہل حل وعقد سے بہ ہزار ادب گزارش کروں گا کہ انھیں کچھ سمجھا جائے اور لگام دی جائے، ورنہ آپ کی خاموشی کو نیم رضا تصور کرتے ہوئے سمجھ لیا جائے گا کہ جو کچھ ہوتا ہے آپ کی شہ پر ہوتا ہے اور آپ کے زیر سایہ ہوتا ہے، آپ نے کبھی ان کے خلاف کھل کر تبلیغ نہیں کی یہ آپ کی قوم ہیں، اگر آپ کو ان کا اخلاق پسند نہیں تو ہماری بجائے آپ کا فرض ہے کہ انھیں درست کریں، ان مجاوروں نے الا ماشاء اللہ کبھی نماز پڑھی ہے اور نہ کوئی شرع کا کام ہی سیکھا ہے۔ بھنگ، چرس اور شراب پی پی کر آنکھوں میں ''نور'' پیدا کرتے رہتے ہیں، خدارا انھیں روکیے کہ وہ قوم کی آبرو اور ایمان کو نہ لوٹیں۔



عقائد واعمال

قسط نمبر ۲ آخری

قبر پرستی اور اس کے اسباب

مولانا محمد قاسم خواجہ رحمہ اللہ

خدا کسی کا پابند نہیں:

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زندہ شخص خدا تعالیٰ کو کسی مجبوری یا دباؤ کے تحت لازماً منوا سکتا ہے:

❁.....﴿لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾[السبا:٢٣]

یعنی اجازت ملے بغیر سفارش اس کے ہاں کام نہیں دیتی۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے مانے یا نہ مانے، جیسے وہ مناسب سمجھے۔

❁.....﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾[الحج:١٨]

''بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اس قادر مطلق کو کسی کی مرضی کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔

نوح علیہ السلام نے لخت جگر کی سفارش کی تو انھیں جھاڑ پلا دی گئی:

﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾[هود:٤٦]

''اس کے عمل ٹھیک نہیں جس کی بابت تجھے علم نہیں مت پوچھ، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہل مت بنو۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کے متعلق بخشش کی بہت کوشش کی۔ لیکن:

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾[التوبة:١١٤]

''جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔''

حضور علیہ السلام کی بے حد خواہش تھی کہ مشفق چچا ایمان لے آئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چاہت پوری نہ ہو سکی، فرمایا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾[القصص:٥٦]

یعنی ہدایت کا انحصار آپ کی چاہت پر نہیں، یہ تو جسے اللہ دے۔

بلکہ مشرکین کے لیے طلب استغفار تک کی اجازت نہ دی گئی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ o﴾[التوبة:١١٣]

''نبی اور مومنوں کے لیے سزاوار نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب انھیں معلوم ہو جائے کہ یہ اہل جہنم ہیں۔''

اہل کفر کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہو چکی تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾[التوبة:٨٠]

''آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں ستر بار بھی مانگیں تو خدا انھیں معاف نہیں کرے گا۔''

تاہم رحمۃ للعالمین نے اصرار کر کے عبداللہ بن ابی منافق کا جنازہ صرف اس وجہ سے پڑھا کہ شاید ستر بار سے زائد بخشش طلب کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے لیے روک دیا گیا:

﴿وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ o﴾[التوبة:٨٤]

''ان میں سے کوئی مرجائے تو اس پر نماز نہ پڑھو اور اس کی قبر پر کھڑے ہونے کی بھی اجازت نہیں کیوں کہ اُنھوں نے اللہ اوراس کے رسول کا انکار کیا اور فسق کی حالت میں مر گئے۔''

سرور کائنات ﷺ دم توڑتے ہوئے بیٹے کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

((ان العین تدمع والقب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا و انا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون .)) (متفق علیه)

''آنسو بہہ رہے ہیں دل غم گین ہے، ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے رب کی مرضی ہو اور اے ابراہیم! ہمیں تیری جدائی کا صدمہ ہے۔''

اور آپ ﷺ بچے کی زندگی میں ایک ساعت کا اضافہ بھی نہ کر سکے۔قدرت کے آگے کس کی پیش جاتی ہے۔

ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے انسانی اختیارات کی بے بسی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔نعوذ باللہ مقصد تحقیر نہیں بلکہ بیان احوال واقعی ہے۔ یہ سب حقائق قرآن وسنت میں مذکور ہیں۔ اگر ان میں مذمت کا شائبہ بھی پایا جاتا تو یہ قرآن کی آیتیں یا پیغمبر کی احادیث نہ ہوتیں کچھ اور ہوتیں۔

جو مر گئے:

جو لوگ فوت ہو گئے ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ عالم ارواح یا عالم برزخ میں زندہ ہیں وہاں علیٰ حسب مراتب مختلف قسم کی زندگیوں سے بہرہ مند ہیں:

❁.....﴿بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾[آل عمران:۱۶۹]

یعنی شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں اس دنیا کے جھمیلوں سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔

❁.....﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ [النحل:۲۱]

یعنی یہ اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہیں وہ بے جان اور زندگی سے محروم ہیں اور انھیں یہ پتا نہیں کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔

نیز فرمایا:

﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾[المومنون:۱۰۰]

''ان کے درمیان قیامت تک پردہ حائل ہو گیا، ان کی روح اُلجھنوں سے آزاد ہو چکی ہے۔''

❁......"إن ظن ان المیت یتصرف فی الأمور دون الله واعتقاده ذلك كفر . " (البحر الرائق)

''جو یہ خیال کرے کہ مرا ہوا شخص اللہ کے سوا تصرف کا اختیار رکھتا ہے اور ایسا اعتقاد رکھتا ہو تو کافر ہو گیا۔''

ہمارے مسائل سے انھیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے:

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ﴾[البقرة: ١٣٤]

یہ لوگ گزر گئے ان کے کام تمھارے کس کام اور تمھارے کام ان کے کس کام، انھیں آواز دیں تو صدا بہ صحرا ہے وہ سنتے ہی نہیں بھلا کریں گے کیا؟ تبھی معاندین کفار کو اہل قبور سے تشبیہ دی گئی ہے۔

مقتولین بدر:

معرکہ بدر میں کام آنے والے کفار کو حضور ﷺ نے اس طرح مخاطب کیا: یا فلان بن فلان! یا فلان بن فلان! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ ﷺ بے روح اجسام سے باتیں کرتے ہیں! تو فرمایا:

((والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم .))

''بخدا! تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو۔''

آگے قتادہ رحمہ اللہ کا قول ذکر ہے:

"أحیاهم الله حتى أسمعهم قوله توبیخا وتصغیرا و نقیمة وحسرة وندما . " (بخاری)

''اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کیا تاکہ انھیں حضور ﷺ کی

بات سنائے، ڈانٹ، ذلت، عقوبت، عسرت اور ندامت کے لیے۔''

یہاں سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مردے سن سکتے ہیں گو اعتراض کا جواب بیچ میں آ گیا ہے تاہم سمجھ نہیں آتی حضور ﷺ کی زندگی میں جو وقتی معجزات ظاہر ہوئے ہم انھیں اپنے لیے کیوں مثال بنا لیتے ہیں، سنانا تو ایک طرف رہا آپ نے تو بعض اوقات پتھروں اور درختوں کے ساتھ بھی تکلم کیا ہے۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں یہ بھی ہماری سنتے ہیں؟

معراج میں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات:

معراج بھی دلیل نہیں بن سکتا، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو عالم بالا کی سیر کرائی تھی وہ اتنا عظیم واقعہ ہے کہ کوئی اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا، خدا تعالیٰ خصوصی طور پر کسی کو نوازنا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے: ﴿لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ [الاسراء] ''تا کہ ہم اسے اپنی بعض نشانیاں دکھلا دیں۔'' یقیناً حضور علیہ السلام نے جسم خاکی کے ساتھ برزخی ارواح سے ملاقات کی لیکن یہ ایک معجزہ تھا اور معجزہ اسے کہتے ہیں جسے نبی کے علاوہ کوئی اور ظاہر نہ کر سکے۔ اس ملاقات کی صحیح کیفیت تو خدا ہی بہتر جانتا ہے ویسے ایک واضح فرق بھی ہے وہ یہ کہ حضور کو اس ملاقات کا پورا پورا احساس ہوا۔ وہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وفات شدگان کی روحیں ان سے تعلق رکھتی ہیں کیا کبھی اُنھوں نے ان کو جانا پہچانا اور باتیں کیں، ہرگز نہیں، اگر کوئی کہتا ہے تو یقیناً جھوٹ بولتا ہے:

﴿اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾ [یونس: ۲۹]

''ہم تمھاری عبادت سے بے خبر تھے۔''

اگر کسی کو وہم ہو جائے یا مالیخولیا ہو جائے یا شیطان کوئی روپ دھار کر آ جائے تو مجھے اس سے بحث نہیں۔

قوت سماعت:

بہ قید حیات آدمی کچھ فاصلے پر ہو یا پاس کھڑا انسان بہرا ہو تو نہیں سن سکتا کجا وہ شخص جس کی رُوح دوسرے جہاں میں پہنچ چکی اور جس کا وجود روح نکل جانے کے باعث بے کار محض ہو چکا ہو اور جملہ حواس ہی کام نہ دیتے ہوں۔ خدا کی زمین اولیاء سے خالی نہیں ہوگئی۔ کوئی زندہ بزرگ لے لیجیے جس کی ولایت پر آپ کو بہت زیادہ اعتماد ہو اور آزمائش کر دیکھیں کہ کہاں تک اس کی قوت سماعت کام دیتی ہے، پھر یہ بات کہنا جیتے جی مرجانے کے مترادف ہے کہ مرنے کے بعد وہ بزرگ ہر جگہ سمیع و بصیر ہو جائے گو یا وہ نہ مرا اپنی عقل مرگئی۔ میت کے سننے کی ایک دو استثنائی صورتیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں بہ صورت صحت وہ محض بے چارگی پر دلالت کرتی ہیں، کارسازی پر نہیں۔ شریعت میں کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ کبھی کوئی کسی میت سے اعانت کا طالب ہوا ہو، یہ عقل کا دیوالیہ نہیں تو کیا ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ اولیاء کو جگہ جگہ پکارتے پھرتے ہیں پھر ان کو ڈھیریوں پر بھی حاضر دینے پہنچ جاتے ہیں، آخر ان کے نزدیک وہ کہاں ہیں! قبروں میں ہیں یا پوری کائنات میں چھا گئے ہیں، کہیں اُنھوں نے خدا کے ساتھ تشبیہ تو نہیں دے دی جو عرش پر ہونے کے ساتھ ساتھ ہر جگہ حاضر و ناظر بھی ہے!

یہ قبے:

گستاخی معاف ان قبروں کے بیچ میں کچھ نہیں ہے ان کا احترام ضرور کیجیے ان کا احترام آدمیت کا احترام ہے لیکن ان کا ہوا دل سے نکال دیجیے۔ ان سے کسی نفع و نقصان کی توقع عبث ہے۔ یہ مہیب قبے ہماری جان کے لیے وبال اور ایمان کے لیے خطرہ بن گئے ہیں، اگر فرمانِ مصطفوی کے مطابق قبریں سادہ ہوتیں تو شرک کی طرف رجحان شاید اتنا شدید نہ ہوتا، بہ روایت جابر مروی ہے:

''نهى رسول الله ﷺ ان يجصص القبر وان يبنى عليه وان يقعد عليه .'' (مسلم)

''رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے اس پر عمارت کھڑی کرنے اور اس پر بیٹھنے (یعنی مجاوری کرنے) سے منع فرمایا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے حکم دیا:

((لا تدع قبرا مشرفا الا سويته .))

''ہر اُونچی قبر کو برابر کردو۔''

بت پرستی اور قبر پرستی:

بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ اسلام نے بت پرستی سے روکا ہے نہ کہ قبر پرستی یا پیر پرستی وغیرہ سے۔ یہ ایک بے دلیل تُک ہے۔ خدا نے جن شرکاء کی تردید فرمائی ہے وہ اصنام ہی نہیں اوثان بھی ہیں:

﴿فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ﴾[الحج: ٣٠]

''تھانوں کی ناپاکی سے بچو۔''

اوثان کا اطلاق بتوں کے علاوہ معبودوں پر بھی ہوتا ہے۔ مشرکین جن کو پکارتے تھے قیامت کے دن وہ اپنی صفائی میں کہیں گے:

﴿مَّا كُنۡتُمۡ اِيَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ﴾[یونس: ٢٨]

''تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔''

کیا یہ بت بولیں گے؟ نہیں یہ اولیاء اور انبیاء کا بیان ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی کہا جائے گا:

﴿ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾[المائدة: ١١٦]

''کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔''

سورت اعراف میں ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ﴾
[الاعراف: ١٩٤]

''تم جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو تم جیسے بندے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ ''عباد'' سے مراد پتھر کے بے جان بت ہیں۔

شرک شرک ہے خواہ بتوں کے ذریعے کیا جائے خواہ نبیوں اور ولیوں کے ذریعے، کفار مکہ کی بت پرستی ضرب المثل ہے وہ بھی انھیں اس حیثیت سے نہیں مانتے تھے کہ یہ پتھر یا مٹی کی مورتیاں ہیں بلکہ وہ بندگان صالح، مثلاً: لات ومنات وغیرہ کی رُوحوں کو اُن میں حلول کیا ہوا مانتے ع

ہے عشق سے بتوں کے میرا کچھ مدعا اور

سچ پوچھیے تو بعینہٖ یہی کیفیت ان قبروں کی بنا دی گئی ہے۔ بے چارے سمجھتے ہیں کہ بزرگ ان میں سما کر مالکِ ہر شے ہو گئے ہیں، بت اور قبر میں سرِمو فرق باقی نہیں رہ گیا مناسب ہے بھائیوں کی غلط فہمی دور کرنے کو مختصراً قبر کی حقیقت عرض کر دی جائے۔

قبر کی حقیقت:

کسی قبر کا کھودنا مستحسن تو نہیں لیکن شرک جیسے بدترین دھوکے کی قلعی کھولنے کی ضرورت سے شاید اس میں خاص حرج نہ ہو، آپ کوئی قبر اُکھاڑ کر دیکھ لیں اول تو کچھ بھی دستیاب نہ ہوگا کچھ ہوا بھی تو ایک بے جان لاش یا گلا سڑا ڈھانچہ، دیکھنے والے کو یہ دیکھ کر یقیناً مایوسی ہوگی کہ جس پر اتنا کچھ ہوتا تھا وہ تو کچھ بھی نہ نکلا اس وجود کی اگر کچھ اہمیت ہے تو صرف اس لحاظ سے کہ کبھی یہ انسان کا وجود رہا ہے ؎

میں بھی کبھی کسی کا سر پُر غرور تھا
ورنہ یہ ہمارے کام کی کوئی چیز نہیں

قبروں کی زیارت اگر مسنون ہے تو صرف اس لیے کہ آدمی اہل قبور کے حق میں دعائے خیر کرے۔ اور قبرستان دیکھ کر موت یاد آئے لیکن ہمارے زائرین کو مردوں میں زندگی بلکہ خدائی کے جلوے نظر آتے ہیں، عجب منطق ہے!

روایت سے اشارتاً معلوم ہوتا ہے کہ روح کا تعلق اپنے وجود سے کم از کم اتنا ضرور ہوتا ہے جس سے اس کو ثواب یا عذاب کا ادراک ہو سکے لیکن یہ کہنا کہ وہ بعینہٖ یہی وجود ہوتا ہے کچھ بات سمجھ میں نہیں آتی، اگر ایسا ہوتا ہو تو پھر وجود گلے، سڑے کے کیا معنٰی؟ بہ شرطِ صحت حدیث انبیاء کے علاوہ عموماً سب کا جسم کچھ دیر بعد خاک ہو جاتا ہے۔ جو انسان درندوں یا مچھلیوں کا شکار ہو جاتے ہیں سوائے لید کے کیا رہ جاتے ہوں گے۔ کئی قومیں مردوں کو دفناتی ہی نہیں بلکہ جلا کر خاکستر کر دیتی ہیں کیا خیال ہے اس وجود کے تبدیل ہو جانے سے انسان ثواب یا عذاب قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے، جن لوگوں نے اس

وجود کو بے پناہ اہمیت دے رکھی ہے ان کا تو یہی مذہب ہونا چاہیے۔

دراصل یہ سب رُوحانی سلسلہ ہے ہوسکتا ہے روح کا کچھ نہ کچھ تعلق خاکی وجود سے ہو اور وہ وجود خواہ کسی شکل اور کسی مقام پر ہو قبر کا احساس ہر جگہ اور ہر حالت میں ہوسکتا ہے۔ عین ممکن ہے ایک لاش پانی میں تیر رہی ہو لیکن اسے آگ کا عذاب ہو رہا ہو اور مومن کے لیے آگ گلزار بن جائے۔ شہداء کی زخمی لاشیں زیر زمین دفن ہوتی ہیں لیکن ان کی رُوحیں گلستان برزخ میں حسین پرندے بن کر اُڑتی پھرتی ہیں، دجال کی جنت اور دوزخ میں بھی برعکس تاثیر پائی جائے گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے محل کی بجائے قید خانے میں اپنی بہتری نظر آئی:

﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ﴾ [یوسف: ۳۳]

”اے میرے مالک! جس طرف مجھے یہ بلاتی ہیں اس سے جیل مجھے زیادہ محبوب ہے۔“

ہمارا سبق:

خیر کچھ شکل بھی ہو، بہ ہر حال رُوح کا اپنے وجود کے ساتھ تعلق ہوتا ہوگا ہمارے ساتھ نہیں ہوتا جو ان سے استعانت کرنے لگیں۔ ہم نے تو یہی سبق پڑھا ہے:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝﴾ [الفاتحة: ٤]

”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“

مراد ہر ایک کی پوری ہوتی ہے:

ہمارے بھائیوں کے ذہن میں بات آئے یا نہ آئے انھیں تو صرف اس بات سے مطلب ہے کہ قبروں پر حاضری دینے سے مرادیں پوری ہوجاتی ہیں اگر اتنی دلیل کافی ہو تو پھر مرادیں تو بت پرستوں کی بھی پوری ہو جاتی ہیں اور ہماری بھی پوری ہو جاتی ہیں، جن کی پیشانی نے بجز خدائی چوکھٹ کے کسی کے آگے جھکنا سیکھا ہی نہیں۔

اسپیشلسٹ:

لطف یہ ہے کہ اُنھوں نے حکیموں اور ڈاکٹروں کی طرح خانقاہوں کی بھی تقسیم کر رکھی ہے کہ اس جگہ فلاں مریض کا علاج ہوتا ہے۔ اور وہاں پر فلاں فلاں مراد پوری ہوتی ہے۔

ہرجائی:

اور ہرجائی اتنے ایک جگہ مراد پوری ہوتی نظر نہ آئے تو دوسرے تیسرے مزاروں پر ذلیل بندے پہنچ جاتے ہیں۔

کفار مکہ اور مشرکین:

پہلے زمانے کے کفار جب کہیں طغیانی میں گھر جاتے تو انھیں اپنے معبود سب بھول جاتے اور صرف خدا یاد رہ جاتا:

﴿وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [یونس: ۲۲]

”اور آئی ان کے پاس موج ہر ہر طرف سے اور وہ سمجھے کہ اب گھرے تو اللہ کو خالص اسی کی بندگی کرتے ہوئے پکارنے لگے۔“

لیکن ان کا سفینہ ڈوبنے لگتا ہے تو رب عرش عظیم کی بجائے ان کی پکار اجمیر کا نا کام رُخ کرتی ہے: ”یا معین الدین اجمیری! کشتی پار کر میری۔“ یعنی یہ شرک پر اُن کی نسبت زیادہ پختہ عقیدے کے مالک ہیں۔

خدا ہی رازق ہے:

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا سب کو وہی دیتا ہے:

﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [هود: ٦]

یعنی ہر ایک کا رزق اللہ پر ہے۔

وہ کوئی چیز نہ دینا چاہے تو سارے جہان کے اولیاء مل کر بھی اسے اپنی مرضی سے نہیں ہٹا سکتے:

❁.....﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ﴾ [الحج: ۷۳]

''چاہنے والا اور چاہا گیا دونوں کمزور ہیں۔''

❁......((لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما منعت .)) (حدیث)

''خدایا! جسے تُو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تُو روک دے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔''

یہ بھی قدرت ہے:

اس کی صفت صرف یہی نہیں کہ دے، یہ بھی ہے کہ نہ دے۔اس کا نہ دینا عجز اور کمزوری کی بنا پر نہیں بلکہ یہ بھی اظہار قدرت کی ایک لطیف صورت ہے:

﴿وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾[الشوری: ۵۰]

''اور جسے چاہے بانجھ کر دے۔''

بلند ظرفی:

یہ خدا کی مہربانی ہے وہ اہل شرک کو بھی دے دیتا ہے عین اس وقت جب کہ وہ غیر کو پوج رہے ہوتے ہیں، وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہیں سے ملا ہے اللہ کی رحمت ان کے لیے آزمائش بن گئی۔

غیرت:

باپ بیٹے کو غیر سے مانگتا دیکھے تو اسے غیرت آتی ہے لیکن افسوس ہم نے خدا کو اتنا غیور بھی نہ سمجھا، آہ کتنا ظلم ہے!

یا رسول اللہ:

قاضی الحاجات وہی ہے لیکن یہ حضرت غیر اللہ کو پکارے بغیر نہیں رہ سکتے، ایک نہیں کئی ایک کو پکارتے ہیں۔سب سے بڑی ہستی حضور پاک ﷺ کی ہے ان کے نام کا نعرہ تو جزو ایمان ہے۔نعرہ رسالت: یا رسول اللہ! پھر اس کے بعد اک نعرہ حیدری: یا علی! نعرہ غوثیہ: یا غوث پاک۔علی ہذا القیاس ذرا عقل کی پرواز ملاحظہ ہو نعرۂ تکبیر کے جواب میں اللہ اکبر۔اور نعرہ رسالت و دیگر نعروں کے جواب ہیں: یا رسول اللہ! یا فلاں! اور یا فلاں! گویا یہ لوگ غیر اللہ کو خدا تعالیٰ سے بھی زیادہ حاضر و ناظر اور قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔جواب میں اللہ اکبر کی طرح محمد رسول اللہ وغیرہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

حضور کے نام سے عداوت خدا کرے کسی دشمن کو بھی نہ ہو لیکن ان عاشقوں کی ٹیڑھی محبت سے ہمیں ضرور گلہ ہے قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ﴾ [الانعام: ۵۹]

''غیب کی چابیاں اسی کے پاس ہیں خدا کے سوا انھیں کوئی نہیں جانتا۔''

غیب نہ جاننے ہی کی وجہ تھی کہ حضور ﷺ نے اہل صفہ میں سے ستر قاری بدنیت کفار کے ساتھ کر دیے جنھیں لے جا کر اُنھوں نے بئر معونہ کے مقام پر بے دردی سے قتل کر دیا۔اور آپ ﷺ انھیں بچا نہ سکے۔بلکہ پتا بھی نہ چلا، بعد میں بہ ذریعہ وحی اطلاع ملی تو یہ سنگین واقعات معلوم ہوئے اور شدید رنج پہنچا، اب وفات کے بعد اس قسم کی صفات حضور ﷺ کی ذات پاک پر چسپاں کرنا کہاں کی عقیدت مندی ہے۔گنجائش نہیں ورنہ مسئلہ حاضر و ناظر تفصیل سے زیر بحث لایا جاتا۔

ہمیں لفظ ''یا'' سے کد نہیں صحابہ کی زبانیں یا رسول اللہ کہتے نہ تھکتی تھیں لیکن اس کا کیا کیا جائے ''یا'' کا تعلق حاضر سے ہے۔حضور ﷺ زندگی میں ہر جگہ حاضر نہ پائے گئے اب کیوں کر ہونے لگے۔مدد کا مسئلہ تو بعد کی چیز ہے نہ جانے انھیں بیٹھے بیٹھے کیا سوجھتی ہے یکا یک جوش آ جاتا ہے اور آپ ہی آپ یا رسول اللہ کا شور مچانے لگتے ہیں، کیسا بھدا انداق اور گستاخی ہے، اگر یہ حضور کو اپنے پاس موجود سمجھتے ہیں تو آپ کی موجودگی میں تو اُونچا بولنا ہی قرآن کی رُو سے سخت بے ادبی ہے:

﴿ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾

[الحجرات: ۲]

''نبی کی آواز سے اپنی آواز مت اُونچی کرو۔''

سوء ادبی:

خاص ضرورت کے بغیر بڑے آدمی کا نام لینا سوء ادبی میں شامل

ہوتا ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور پاک ﷺ کو شاید ہی کبھی یا محمد کہا ہوگا، خود قرآن نے اس نوع کے خطاب سے پرہیز کیا ہے لیکن اب جگہ جگہ حرف ندا کے ساتھ اس نام کی لکھی ہوئی دیواریں اور بورڈ آویزاں ملتے ہیں۔

کلمے میں اضافہ:

نبی علیہ السلام کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے:

"اشھد ان محمدا عبده ورسوله"

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اوراس کے رسول ہیں۔'' ﷺ

لیکن یہ لوگ اتنا کلمہ ناکافی سمجھتے ہیں جب تک ایک شخص حضور ﷺ کو حاضر وناظر عالم الغیب مختارکل، نورمن نوراللہ اور نہ جانے کیا کیا فرض کرلے یہ اسے مسلمان ہی نہیں سمجھتے یعنی اُنھوں نے عقائد کی دنیا میں اچھا خاصا اضافہ کرلیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ کلمے میں ایک ہول ناک ترمیم بھی کر لی ہے۔ یہ حضور ﷺ کو عبد کہتے ہوئے بھی شرماتے ہیں اُنھوں نے حضور ﷺ کو اس طرح خدا میں ضم کرنے کی مجرمانہ کوشش کی ہے کہ اب آپ ﷺ ان کے نزدیک من دون اللہ ہی نہیں رہے تاکہ کوئی یہ اعتراض ہی نہ کر سکے حضور ﷺ خدا کے سوا ہیں انھیں نہ پکارا کرو۔یعنی حضور ﷺ عین خدا ہوگئے ؎

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

لو بحث ہی ختم ہوگئی، العیاذ باللہ۔

پیروکار:

اب بھی ان کے پیروکار آنکھوں پر پٹی باندھے رکھیں تو بڑا ہی افسوس ہے پیشتر اس سے کہ قیامت کے دن پچھتانا پڑے:

﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ [الاعراف:۳۸]

''پروردگار! اُنھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا انھیں ڈبل عذاب کر۔''

میں انھیں بتانا چاہتا ہوں کہ ان حضرتوں نے آپ کی بے حد غلط راہ نمائی کی ہے یہ اپنے چاہنے والوں کو کفر کے انتہائی خطرناک مقام پر لے آتے ہیں۔ خدارا! آپ ہی ان مفاد پرستوں کا پیچھا چھوڑ دیں ورنہ ہم تو اپنی ہٹ سے باز نہیں آنے کے۔

تعریف میں مبالغہ آمیزی:

حدیث شریف میں ہے:

((لا تطرونی کما اطرت النصاری.))

یعنی جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا تم میری تعریف میں غلومت کرنا۔(یوں کہو: عبداللہ ورسولہ، یعنی اللہ کا بندہ اوراس کا رسول ﷺ)

حضور ﷺ کے ''دشمن'':

جب ہم اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو ہمیں حضور ﷺ کا دشمن کہہ کر اپنے مریدوں کی تسلی کر دیتے ہیں اور خود ہی سمجھ لیتے ہیں کہ جواب ہوگیا حالانکہ انھیں معلوم ہونا چاہیے ہم جو کچھ کہتے ہیں قرآنی آیات اور حضور ﷺ کے فرامین ہی کا مبارک سرمایہ ہے، شریعت ہمارے گھر کی نہیں جو خود مسئلے ایجاد کریں ان پر اسلام کا لیبل لگائیں اور مخالفین پر فتوؤں کی توپ چلائیں:

﴿وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران:۷۸]

''اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور نہیں ہے اللہ کی طرف سے۔''

ہمیں غیر مقلدیت کا طعنہ ہی اس لیے دیا جاتا ہے کہ ہم حضور ﷺ کے سوا کسی انسان کی بات کو بالاستقلال حجت نہیں سمجھتے اور ہم نے سارے جہاں سے صرف حب نبوی کی خاطر لڑائی مول لی ہے یعنی حضور ﷺ کی محبت ہی ہمارا جرم ہوکر رہ گئی ہے۔

محبت کا مظہر عمل ہے:

ہمارے یہ بھائی حضور ﷺ سے خالی محبت ہی کو سب کچھ خیال کر بیٹھے ہیں، آپ ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومے جوش یا ضد میں آکر زور سے یا رسول اللہ کا نعرہ لگایا اور نعتیں پڑھ لیں تو یہ محبت ہوگئی عمل کریں ان کے دشمن، قرآن پاک میں ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾[آل عمران:۳۱]

''کہہ دیجیے اگر تمھیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو تو خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف کردے گا۔''

یعنی اللہ سے محبت کرنے اور اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے وسیلہ حضور علیہ السلام کی پیروی ہے تو کیا حضور کی اپنی محبت حاصل کرنے کے لیے خالی نعروں سے ٹرخا دیا جائے گا! حضور تو تشریف ہی اس لیے لائے تھے کہ آپ کی پیروی ہو:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [النساء:٦٤]

''ہم نے ہر پیغمبر اللہ کے حکم سے اطاعت کیے جانے کے لیے بھیجا۔''

لیکن ہمارے بھائیوں کو محبت ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ عمل بے چارے کس وقت کریں۔

تعظیمی سجدہ:

اُنھوں نے غیر اللہ کی محبت و تعظیم میں اتنی زیادتی اور مبالغے سے کام لیا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی نظر انداز ہوگیا:

﴿يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ [البقرة:١٦٥]

''یہ ان سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی اللہ سے کرنی چاہیے لیکن مومنوں کے دل میں اللہ ہی کی محبت شدید ہوتی ہے۔''

یہ ماسوائے اللہ سے وہ سب کچھ کرگزرتے ہیں جو خاص خدا ہی کا حق ہے، بلکہ شاید اس سے بھی کہیں زیادہ۔ سجدہ معمولی بات نہیں ہے اور بڑے بھولپن سے کہہ دیا جاتا ہے ہم عبادت تھوڑا ہی کرتے ہیں ہم تو تعظیم بجالاتے ہیں حالانکہ شاید انھیں معلوم نہیں کہ کثرت تعظیم ہی عبادت ہو جاتی ہے عبادت مقصود نہ ہو تو بھی نصوص صریحہ دلالت کرتی ہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں، فرمایا:

﴿ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾[حم السجدة:٣٧]

''سورج اور چاند کو نہیں اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا فرمایا اگر تم نے خاص اسی کی عبادت کرنا ہے۔''

قیس بن سعد نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! حیرہ شہر کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں اور آپ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو فرمایا:

((لو كنت آمرا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت النساء أن يسجدن لأزواجهن لما جعل الله لهم عليهن من حق.)) (ابو داود)

''اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدے کا حکم دیتا تو عورتوں کو کہتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر خاوندوں کا حق رکھا ہے۔''

سابقہ شریعتوں میں اگر کہیں غیر اللہ کو سجدے کا ذکر ملتا ہے تو وہ کئی اور مسائل کی طرح شریعت مصطفوی سے منسوخ ہو چکا ہے، براہ مہربانی گڈمڈ کی کوشش نہ کیجیے، تعظیمی سجدہ شرک نہ بھی ہو تو بھی اس کے حرام ہونے میں کسی کو شبہ نہیں اس پر سب آئمہ کا اتفاق ہے۔

عبادت سجدے کے علاوہ بھی ہے:

اس حرمت کے پیش نظر کچھ دوست سجدے کو واقعی نامناسب سمجھتے ہیں باقی قیام، رکوع، قعود اور دعا وغیرہ جو بھی ہوتا ہے ان کی نظر میں ٹھیک ہے۔ یہ بھی غلطی ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں صرف سجدہ نہیں کیا جاتا اور بھی حالتیں ہوتی ہیں کیا انھیں عبادت سے خارج کر دیا جائے گا، یہ

خشوع وخضوع یہ نیازمندی اور یہ سوالیہ نگاہیں کسی بھی حالت میں ہوں عبادت نہیں تو کیا ہیں؟ صرف کہنے کا فرق ہی ہے۔

خیرات یا رشوت:

بعض لوگ اس لیے بھی قبروں کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہاں نذرونیاز دینے سے شاید ان کی حرام کمائی حلت سے بدل جائے گی اس بھول میں نہ رہیے گا یہ خیرات نہیں رشوت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ایسی کمائی کو شرف قبولیت نہیں بخشتا:

((لا يقبل الله الا الطيب .)) (بخاری)

''وہ صرف پاک مال قبول کرتا ہے۔''

ہاں، ایسا مال گدیوں کے ساتھ چمٹی ہوئی حضرتیں اور سرکاریں قبول کرلیں تو بات اور ہے۔

سرکاری سرپرستی:

قبرپرستی کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہے محکمہ اوقاف، مساجد سے زیادہ مقابر کی رکھوالی کرتا ہے، نیز کسی نے بیرون ملک جانا ہو تو فارم پر سیروسیاحت یا کاروبار کی بجائے زیارت کا لفظ درج کرنے سے پاسپورٹ کی منظوری کے امکانات زیادہ روشن ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے ایک تو لوگ جھوٹ سیکھتے ہیں اور دوسرے قبرپرستی کو شہرت ملتی ہے۔ متعلقہ حکام ممکن ہے ثواب کے لیے ایسا کرتے ہوں لیکن ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ لفظ زیارت کا اندراج بالعموم ایک بہانہ ہوتا ہے۔ اگر حقیقتاً بھی کوئی اس مقصد کے لیے جانا چاہے تو بھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہیے۔ کسی جگہ کو مقدس سمجھ کر جانے کے لیے حضور ﷺ نے سفر پر پابندی عائد کردی ہے فرمایا:

((لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام والمسجد الاقصى ومسجدي هذا .)) (بخاری و مسلم)

''تین مسجدوں: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے سوا کہیں سفر کر کے مت جاؤ۔''

جو لوگ مزاروں پر حاجتیں پوری کروانے جاتے ہیں، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں ان کے اس فعل کو لات وعزیٰ کی پرستش کی مانند قرار دیا ہے۔

محدث ابن طاہر کہتے ہیں:

"من قصد الزيارة قبور الانبياء و الصلحاء ان يصلى عند قبورهم ويدعو عندها ويسألهم الحوائج فهذا لا يجوز عند احد من علماء المسلمين فان العبادة وطلب الحوائج والاستعانة حق الله وحده ."

''جو شخص انبیاء اور صلحاء کی قبروں کے پاس قصداً جا کر نماز پڑھے، دعا کرے اور ان سے حاجتیں مانگے تو یہ علمائے اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں کیوں کہ عبادت، حاجتوں کا مانگنا اور مدد چاہنا صرف اللہ ہی کا حق ہے۔''

اور جب باہر سے کوئی سرکاری مہمان آتا ہے تو اس کے لیے بھی لازم ہوتا ہے کہ ہمارے بڑوں کی قبروں پر پھولوں کی چادر چڑھائے۔

ہم سے چڑ کر:

خانقاہوں میں ہونے والے اس ناجائز کاروبار کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم اسے نہیں مانتے۔ یعنی ہم سے چڑ کر وہ شرک کی گاڑی کو اور تیزی سے دھکیلتے ہیں، گزارش ہے ہم تو شراب اور جوا وغیرہ کو بھی برا کہتے ہیں، ہماری مخالفت ہی مقصود ہے تو ان چیزوں کو بھی ''اہل سنت والجماعت'' کا مسلک بنا لیجیے۔ اگر کہا جائے کہ ان کی حرمت تو قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو کیا شرک کی حرمت ہی کتاب وسنت سے ثابت نہیں جسے روکنے کے لیے خاص انبیاء علیہم السلام تشریف لائے!

معقولیت:

مجھے تعجب ہوتا ہے کئی لوگ مذہب کو کوئی معقول چیز نہیں سمجھتے تاہم شرک کی محفلوں میں وہ بھاگے جاتے ہیں، کیا یہیں انھیں معقولیت نظر

(باقی صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

سیرت وسوانح

سیدین کریمین

قسط نمبر ①

سید احمد بریلوی رحمہ اللہ - شاہ اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ

(تاریخ وفات: ۵مئی ۱۸۳۱ء)

عبدالرشید عراقی

علامہ سید سلیمان ندوی (م۱۳۷۳ھ) لکھتے ہیں:

''تیرہویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم اور بدعات کا زور تھا۔ مولانا اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید بریلوی کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی یہ وہ وقت تھا کہ جب سارے پنجاب میں سکھوں کا اور باقی ہندوستان میں انگریزوں کا قبضہ تھا ان دو بزرگوں نے اپنی بلند ہمتی سے اسلام کا عَلَم اُٹھایا اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی۔ جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے لے کر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی۔ اور لوگ جوق درجوق اس عَلَم کے نیچے جمع ہونے لگے۔ اس مجددانہ کارنامے کی عام تاریخ لوگوں کو یہیں تک معلوم ہے۔ ان مجاہدوں نے سرحد پار ہو کر سکھوں سے مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے۔ حالانکہ یہ واقعہ اس کی پوری تاریخ کا صرف ایک باب ہے۔''

(مقدمہ سید احمد شہید از سید ابوالحسن علی ندوی: ۱/ ۲۵)

سید احمد بریلوی رحمہ اللہ:

حضرت سید احمد بن سید محمد عرفان، رائے بریلی کے حسنی خاندان میں صفر ۱۲۰۱ھ مطابق نومبر ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ حسنی خاندان زہد و ورع، تقویٰ و طہارت، اعلیٰ اخلاق، پاکیزگی، امانت و دیانت، عدالت و صداقت، شجاعت و بسالت، ذکاوت و فطانت، عبادت و ریاضت، حسن معاملگی، جہاد اور دیگر محاسن وفضائل میں برصغیر پاک و ہند کے برگزیدہ اور اعلیٰ وارفع خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اور عوام وخواص میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

آغازِ تعلیم:

حضرت سید احمد کی جب عمر چار سال چار ماہ اور چار دن کی ہوئی۔ تو ان کو تحصیل علم کے لیے مکتب میں بٹھایا گیا۔ لیکن تین سال کی مسلسل کوشش کے باوجود ان کی توجہ حصولِ علم کی طرف مبذول نہ ہوئی۔ اور اس عرصے میں صرف قرآن مجید کی چند سورتیں یاد کر سکے۔ آپ کے برادر اکبر سید اسحاق کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ آپ حصول تعلیم کی طرف توجہ کریں۔ لیکن اُنھیں اس میں کامیابی نظر نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ اور آخر سید صاحب کے والد سید محمد عرفان نے ایک دن سید محمد اسحاق سے فرمایا:

''احمد کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔''

چنانچہ اُنھوں نے اس طرف سے توجہ ہٹالی اور اس کے بعد سلسلہ تعلیم وقتی طور پر منقطع ہو گیا۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۲۸)

بچپن میں مشاغل:

سید احمد کو بچپن میں کھیلوں کا بہت شوق تھا۔ خاص کر کبڈی، شہ زوری، سپہ سالاری اور تیراکی میں اور جہاد میں بہت دل چسپی لیتے تھے۔ اپنے ہم عمر لڑکوں کو جمع کرتے، پھر اُن کے دو گروپ بناتے۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کے قلعے پر حملہ کرتا اور اسے فتح کرتا۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بستی کے ہم سن لڑکوں میں سے ایک لشکر اسلام جمع کر کے بہ طور جہاد بہ آواز بلند تکبیریں کہتے ہوئے ایک

فرضی ''لشکر کفار'' پر حملے کیا کرتے تھے اور ''وہ مارا''،
''یہ فتح ہوا'' کی صدائیں لشکر اطفال سے بلند ہوتی تھیں۔''

(تواریخ عجیبہ، ص:۴)

سید احمد کو خدمت خلق کا بڑا شوق تھا۔ جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو ان میں خدمت خلق کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ ضعیفوں، اپاہجوں اور بیوہ عورتوں کے گھروں میں جاتے۔ اُن کا حال واحوال دریافت کرتے اور اُن کی ضروریات کو پورا کرتے۔ اس وصف کے علاوہ آپ کو عبادت الٰہی کا بھی بہت شوق تھا۔ رات کو نماز تہجد پڑھتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور ذکر واذکار میں مشغول رہتے تھے۔

لکھنو کا سفر:

۱۲۱۴ھ میں ان کے والد سید محمد عرفان رحمہ اللہ نے رحلت فرمائی تو اس کے بعد بہ سلسلہ معاش اپنے سات اقرباء کے ساتھ لکھنو روانہ ہوئے۔ لکھنو پہنچ کر سب ساتھی روزگار کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے مگر روزگار عنقا تھا۔ سارا دن دوڑ دھوپ کرتے اور روزگار تلاش کرتے لیکن کامیابی حاصل نہ ہوتی تھی۔

سفر دہلی:

لکھنو میں سید احمد چار ماہ تک قیام پذیر رہے۔ آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نام نامی سن رکھا تھا۔ چنانچہ آپ نے تحصیل علم کے شوق میں دہلی جانے کا عزم کیا اور آپ دہلی کے سفر پر روانہ ہوئے اور مصائب وتکالیف برداشت کرتے ہوئے دہلی پہنچے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث نے دریافت کیا کہ کہاں سے تشریف لائے ہو؟ حضرت سید احمد نے جواب میں فرمایا کہ رائے بریلی سے آیا ہوں اور میرا تعلق سادات خاندان سے ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ سید ابوسعید اور سید ابونعمان کو جانتے ہو؟ حضرت سید احمد نے کہا کہ سید ابوسعید میرے نانا اور سید ابونعمان میرے حقیقی چچا تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے یہ سنتے ہی دوبارہ گرم جوشی سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ اور پوچھا: اتنے لمبے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کی کیا غرض تھی؟ حضرت سید احمد نے جواب میں فرمایا: آپ کی ذات مبارک کو غنیمت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طلب کے لیے یہاں پہنچا ہوں۔

شاہ عبدالقادر دہلوی کی خدمت میں:

اس کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ایک خادم کے ساتھ حضرت سید احمد کو حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (برادر خورد) کے پاس اکبر آبادی مسجد میں بھیج دیا۔ حضرت سید احمد نے حضرت شاہ عبدالقادر سے ترجمہ قرآن مجید اور صرف ونحو کی ابتدائی عربی وفارسی کتابیں پڑھیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سید احمد صاحب نے اگرچہ درسیات کی تکمیل نہیں کی۔ لیکن آپ کو دینی علوم سے ضروری واقفیت ہوگئی۔ آپ ہر وقت علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء کی صحبت میں رہتے تھے۔ جہاں ہر وقت علم کا چرچا رہتا تھا۔ جہاں کا گھر بھی مدرسہ تھا۔ جہاں کی تفریح بھی درس تھی۔ وہاں کی ہوا بھی علم پرور تھی اور وہاں کے بچے بھی دین کی سمجھ اور شریعت سے واقفیت رکھتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا شریعت کدہ ہندوستان میں بالاتفاق علم کا سب سے بڑا مرکز تھا جس میں منتخب علماء وفضلاء حاضر ہوتے تھے۔ ایک وقت میں صرف اس خاندان میں حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، مولانا عبدالحی، مولانا اسماعیل، مولانا محمد اسحاق، مولانا محمد یعقوب رحمہم اللہ موجود تھے۔ اور سید صاحب کی صحبت انھیں حضرات سے تھی۔ قرآن مجید تو آپ نے خاص طور سے پڑھا۔ ترجمان قرآن شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کی توجہ اور صحبت نے ان کو جلا دی۔''

(سیرت سید احمد شہید: ۱/۱۰۱)

دہلی کے قیام کے دوران ایک مدت تک مسجد اکبر آبادی کے حجرے میں ذکرواشغال اورریاضت وعبادت میں مصروف رہے۔

میدان عمل میں:

اب سید صاحب کا نصب العین مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنانے اور جہاد فی سبیل اللہ کی روح کو زندہ کرنے کا تھا۔ چنانچہ آپ نے مولانا عبدالحی بڈہانوی اور مولانا شاہ اسماعیل دہلوی کو یکے بعد دیگرے بیعت کیا۔اوران دونوں بزرگانِ دین کودرس ووعظ کا حکم دیا۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں کی وعظ وتبلیغ سے بےشمارلوگ متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ کئی شہروں سے آپ کودعوت نامے آنے لگے۔

تبلیغی اسفار:

جب دعوت نامے بہ کثرت آنے لگےتو آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوکر سفر کی اجازت چاہی۔ حضرت شاہ صاحب نے اجازت دے دی۔محترمہ ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ رقم طراز ہیں:

> ’’جب دور دراز تک آپ کودعوت نامے آنے شروع ہوگئے تو آپ نے شاہ عبدالعزیز کی اجازت سے اپنے خاص مریدوں اور چندعقیدت مندوں کو ساتھ لے کر دہلی سے سہارن پور، میرٹھ،مظفرنگر، دیوبند، گنگوہ، نانوتہ، کاندھلہ اور لیاری تک تبلیغی اور اصلاحی دورہ کیا۔ اس دوران مختلف علاقوں میں مسلمان قوم کوحکومت اسلامیہ کی تاسیس، احیائے اسلامیت اوراغیار کے تسلط کوختم کرنے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے آغاز کی دعوت دی۔ اس دور میں سیکڑوں خاندانوں اور ہزاروں عقیدت مندوں نے شرک و بدعات اور غیر شرعی رسوم سے توبہ کی اور آپ کے حلقہ بیعت میں شامل ہوئے۔‘‘

(شاہ عبدالعزیز دہلوی اوراُن کی علمی خدمات، ص:۲۱۶)

دہلی واپسی اوررائے بریلی کا سفر:

سید احمد جب تبلیغی دورے سے واپس دہلی تشریف لائے توانھیں اپنے بڑے بھائی سید اسحاق کی وفات کی خبرملی۔سید صاحب بہت مغموم ہوئے۔ بریلی سے آئے ہوئے دس برس بیت چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے وطن لوٹنے کا ارادہ کیا۔ستر،اسّی افراد کے ساتھ ایک قافلے کی صورت میں رام پور، الہ آباد، بنارس، کان پور، اورلکھنو میں قیام کرتے ہوئے رائے بریلی پہنچے۔ دوران سفرجن شہروں میں بھی آپ نے قیام کیا وہاں آپ نے وعظ وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔عوام وخواص کوتوحید خالص سے آگاہ کیا۔شرک وبدعت اورغیرشرعی رسوم سے بچنے کی تلقین کی اور بےشمارلوگوں نے آپ کی بیعت کی۔

رائے بریلی میں آپ کا قیام دوسال رہا۔اس قیام میں آپ نے بہت سے اصلاحی وتبلیغی کارنامے انجام دیے۔ بہ قول ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ:

> ’’پیر پرستی، قبر پرستی اورشادی غمی میں ہندوانہ رسوم اور بےجا اسراف کوختم کرنے کی تلقین فرمائی۔اوراختلافی مسائل اور خاص کرشیعہ سنی اختلاف کوختم کرنے پر بہت زور دیا۔ جہاد کی لوگوں کوترغیب دی اورنکاح بیوگان کی سنت کا احیا کیا۔‘‘

سفرحج اورمراجعت:

یکم شوال ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں حضرت سید صاحب چارسو مردوں اورعورتوں کےایک قافلے کی صورت میں رائے بریلی سے حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔اس قافلے میں مولانا عبدالحی بڈہانوی اور مولانا شاہ اسماعیل دہلوی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ جب آپ قافلے کے ہمراہ کلکتہ سے روانہ ہونے لگےتو قافلہ کی تعداد آٹھ سو ہوگئی۔۱۲۳۷ھ میں آپ مکہ معظّمہ پہنچ گئے۔رمضان کا مہینا مکہ معظّمہ میں گزارا۔ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعدصفر ۱۲۳۸ھ میں مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ مدینہ کے قیام میں ذکرواذکار میں مشغول رہے۔۲۶ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ کو خواب میں آنحضرت ﷺ کی

زیارت ہوئی۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''احمد! اب تم مدینہ سے چلے جاؤ تمھارے ساتھیوں کو سردی سے تکلیف ہورہی ہے۔'' (مخزنِ احمدی، ص:۱۰۶)

چنانچہ سید صاحب ۲۹ ربیع الاول کو مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے۔ اور مکہ پہنچ کر عمرہ اور طواف کیا اور مکہ میں ۱۵ شوال تک قیام رہا۔ اور آپ ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو دو سال گیارہ مہینے حرمین شریفین میں گزار کر اپنے وطن رائے بریلی تشریف لے آئے۔

رائے بریلی میں آپ کا قیام رمضان ۱۲۳۹ھ تا ۷ جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ تک رہا۔ اس قیام کی مدت ایک سال دس ماہ ہے اور یہ آپ کا رائے بریلی میں آخری قیام تھا۔ اس زمانہ قیام میں مکانوں کی مرمت، مساجد کی تعمیر، جہاد کی ترغیب و دعوت اور رفقاء کی ایمانی اور عملی تربیت کا خوب اہتمام کیا۔ (مخزن احمدی، ص:۱۱۶)

قیام رائے بریلی کے دوران رفقاء کی تربیت:

حضرت سید صاحب کا رائے بریلی میں ایک سال دس ماہ قیام رہا۔ اس قیام میں آپ اپنے رفقاء کی تربیت سے غافل نہیں رہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (م ۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں:

''ایک سال دس مہینے کی یہ مدت ایک ایسی فضا اور ماحول میں گزری جس میں ایک طرف دینی جذبات اور ایمانی کیفیات کی ترقی اور نشو ونما کا سامان تھا۔ اور دوسری طرف جفاکشی، مجاہدے اور سپاہیانہ زندگی اور خودشکنی کی تعلیم ہی ایسا چشمہ ہے جس سے جہاد فی سبیل اللہ، اعلائے کلمہ حق کی قوت اور توفیق پیدا ہوتی ہے۔ جماعت جو اس وقت کئی سو افراد پر مشتمل تھی اور امیر جماعت ایک طرف ذکر و نوافل، تذکیر و دعوت میں مشغول تھے۔ دوسری طرف فنونِ حرب اور محنت و مشقت کے کاموں میں مستعد اور چاق چوبند تھے۔ ان کو کسی کام سے عار نہ تھی اور وہ کسی محنت اور جفاکشی سے عاجز نہ تھے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لیے کہ تکیے پر ان بندگانِ خدا کے شب و روز کس طرح گزرتے تھے۔ اور بلند مقصد رضائے الٰہی کے شوق اور رہبر کامل کی صحبت نے ان میں کیا انقلاب اور کس درجے کا عشق اور مستی پیدا کردی تھی۔''

(سیرت سید احمد شہید:۱/۳۰۴)

سید احمد کی شخصیت:

حضرت سید احمد روحانی رہنما اور شیریں بیان مقرر تھے ہزاروں لوگ ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ بہت زیادہ ذکر و اذکار کرنے والے توحید الٰہی کا پرچار کرنے والے۔ اتباع سنت نبوی ﷺ میں اعلیٰ وارفع، دینی علوم میں غیر معمولی بصیرت رکھنے والے تھے۔

اخلاق و عادات، علم و فضل:

اخلاق و عادات کے اعتبار سے سید صاحب بہت بلند مرتبہ کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی جسمانی قوت عطا کی تھی۔ فنون حرب اور سپہ گری میں حیرت انگیز دستگاہ حاصل تھی۔ خدمت خلق کا جذبہ ان میں بچپن ہی سے بے پناہ تھا۔ تمام زندگی مساوات پر عمل پیرا رہے۔ بہت زیادہ عابد و زاہد تھے۔ عفو و درگزر ان کے اوصاف حمیدہ تھے۔ عفت و حیا کے اوصاف سے متصف تھے، بہت زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔ صبر و استقامت کا جو نمونہ آپ نے پیش کیا، اس کی مثال قرنوں میں بھی ملنی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بہت زیادہ توکل کرنے والے تھے۔ مجاہدین پر بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ جانوروں پر بھی بے حد رحیم و شفیق تھے۔

(ماخوذ از سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر)

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ ماضی قریب میں سید صاحب جیسے صاحب کمال کا نشان کسی خطے میں نہیں ملتا۔ اور ان کی جماعت منصورہ سے خلق خدا کو فیوض کی جو دولت ملی اس کے عشر عشیر کا سراغ بھی دنیا کے دوسرے مشائخ و علماء کے نہیں ملتا۔''

(سید احمد شہید از مولانا مہر،ص: ۴۶۲ بہ حوالہ تقصار جیود الاحرار،ص:۱۰۹،۱۱۰)

تصانیف:

۱: صراط مستقیم (فارسی): تحریر مولانا عبدالحی بڈھانوی اور مولانا شاہ اسماعیل دہلوی کی ہے، مفہوم حضرت سید احمد شہید کا ہے۔

۲: تنبیہ الغافلین (فارسی): اس کا اُردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

۳: رسالہ درنماز وعبادت (فارسی)۔

۴: رسالہ درنکاح بیوگان (فارسی)۔

۵: رسالہ حقیقۃ الصلاۃ۔

۶: رسالہ تفسیر سورت فاتحہ۔

۷: رسالہ اشغال (فارسی)۔اس کا اُردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

شہادت:

حضرت سید احمد نے سکھوں سے جنگ کرتے ہوئے ۲۴ ذی قعدہ ۱۱۴۶ھ مطابق ۵ مئی ۱۸۳۱ء بالاکوٹ کے مقام وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(باقی آئندہ)

بقیہ: ماہِ رمضان؛ نیکیوں کا موسمِ بہار

۱۰۔آخری عشرے کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تحروا ليلة القدر في الوتر من العشر الاواخر من رمضان.)) (صحيح بخاری، رقم: ۲۰۱۷)

''رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔''

اسی طرح جناب عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب (رمضان کے آخری) دس دن شروع ہوتے تو نبی کریم ﷺ (عبادت کے لیے) کمر بستہ ہو جاتے، ان راتوں میں خود بھی جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔(صحیح بخاری، حدیث:۲۰۲۴)

۱۱۔اعتکاف:

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''ان النبی ﷺ كان يعتكف فی العشر الأواخر من رمضان.'' (صحيح مسلم، رقم: ۱۱۷۱)

''نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے۔''

۱۲۔صدقہ فطر (فطرانے) کی ادائیگی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''فرض رسول اللّٰه ﷺ زكاة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث وطعمة للمساكين، من اداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة، ومن اداها بعد الصلاة فهي صدقة من الصدقات.'' (سنن ابی داود، رقم: ۱۶۰۹، سنن ابن ماجه، رقم: ۱۸۲۷)

'' رسول اللہ ﷺ نے روزے کو لغو اور نامناسب باتوں (کے گناہ) سے پاک کرنے کے لیے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کے لیے صدقہ فطر (فطرانہ) فرض کیا۔جس نے نماز (عید) سے پہلے یہ ادا کر دیا، اس کا یہ قبول شدہ صدقہ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ ایک عام صدقہ ہے۔'' (یعنی فطرانہ نہیں ہوگا)

تعلیم وتربیت

ماہِ رمضان؛ نیکیوں کا موسمِ بہار

محمد زبیر حسین (خریج مرکز التربیۃ الاسلامیۃ، فیصل آباد)

نیکیوں کا شوق رکھنے والے ہر مسلمان کے لیے ماہِ رمضان نیکیوں کا موسمِ بہار ہے۔ یہ ایک ایسا مہینا ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ جنت کے دروازے کھول دیتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کثرت سے اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد کرتے ہیں، ان کی مغفرت کرتے ہیں اور ان کی توبہ اور دعائیں قبول کرتے ہیں۔ ایسا عظیم الشان مہینا یقیناً اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ہمیں بھی اس مہینے کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کی برکات کو بھرپور طریقے سے سمیٹنا چاہیے۔

ذیل میں وہ اعمال درج کیے جاتے ہیں جنھیں بالخصوص رمضان جیسے مہتم بالشان مہینے میں انجام دینا چاہیے۔

۱۔ روزہ:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرۃ: ۱۸۵]

''پس جو شخص تم میں سے اس مہینے کو پائے وہ اس کے روزے رکھے۔''

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه .))

(صحیح بخاری، رقم: ٢٠١٤)

''جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ رکھے، اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

۲۔ قیامِ رمضان:

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه .)) (صحیح بخاری، رقم: ٣٧)

''جو شخص رمضان کا قیام ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ کرے، اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

اسی طرح حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إنه من قام مع الامام حتى ينصرف كتب له قيام ليلة .))

(سنن ابی داود، رقم:١٣٧٥، سنن ترمذی، رقم: ٨٠٦)

''یقیناً جو شخص امام کے ساتھ قیام کرے یہاں تک کہ امام قیام سے فارغ ہو جائے تو اس کے لیے پوری رات کے قیام کا اجر لکھ دیا جاتا ہے۔''

۳، ۴، ۵۔ تلاوت قرآن، صدقہ وخیرات، خیر خواہی:

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ خیر کے معاملے میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی جب جبرائیل آپ ﷺ سے رمضان میں ملتے، جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ سے رمضان المبارک کی ہر رات ملتے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔ نبی کریم ﷺ جبرائیل علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے، یعنی ایک دوسرے کو قرآن سناتے۔ جب جبرائیل علیہ السلام آپ سے ملتے تو آپ ﷺ تیز ہوا سے بھی زیادہ خیر کے کاموں میں سخی ہو جایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، حدیث:۱۹۰۲)

۶۔ توبہ واستغفار کی کثرت:

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

((رغم انف رجل ذكرت عنده فلم يصل علي، و رغم انف رجل دخل عليه رمضان ثم انسلخ قبل ان يغفر له، و رغم انف رجل ادرك عنده ابواه الكبر او احدهما فلم يدخلاه الجنة .))

(سنن ترمذی، رقم:۳۵۴۵، مسند احمد :۲/ ۲۵٤)

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا تذکرہ کیا جائے تو وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس رمضان المبارک آیا پھر وہ اس کی بخشش سے پہلے ہی چلا گیا اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جس کی زندگی میں اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو وہ اسے جنت میں داخل نہ کرواسکیں۔''

۷۔دعا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثلاث دعوات لا ترد : دعوة الوالدلولده، ودعوة الصائم، و دعوة المسافر .))

(السنن الكبرى للبيهقى: ۳/ ۳٤۵ . الاحاديث المختارةللمقدسى، رقم :۲۰۵۷)

''تین دعائیں رد نہیں کی جاتیں: والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا، روزہ دار کی دعا اور مسافر کی دعا۔''

اسی طرح جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثلاث دعوات مستجابات: دعوة الصائم، و دعوة المظلوم ، ودعوة المسافر .)) (شعب الايمان للبيهقى :۳/ ۳۰۰)

''تین دعائیں قبول کی جاتی ہیں: روزہ دار کی دعا، مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا۔''

خاص طور پر افطاری کے وقت دعا ضرور کرنی چاہیے کیوں کہ وہ قبولیتِ دعا کے خصوصی اوقات میں سے ہے، جیسا کہ جناب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن للصائم عند فطره لدعوة ما ترد .))

(سنن ابن ماجه، رقم: ۱۷۵۳ . شعب الايمان للبيهقى :۳/ ٤۰۷)

''یقیناً روزہ دار کے لیے افطاری کے وقت دعا ہے جسے رد نہیں کیا جاتا۔''

۸۔افطاری کروانا:

سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من فطر صائما كان له مثل اجره غير انه لا ينقص من اجر الصائم شيئا .))

(سنن ترمذى، رقم :۸۰۷، سنن ابن ماجه، رقم: ۱۷٤٦)

''جو شخص کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرواتا ہے تو روزہ دار کے اجر میں تھوڑی سی بھی کمی کیے بغیر اسے برابر کا اجر وثواب ملے گا۔''

۹۔عمرہ:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت سے فرمایا:

((فعمرةفى رمضان تقضى حجة ، او حجة معى .)) (صحيح مسلم، رقم: ۱۲۵٦)

''رمضان میں عمرہ کرنا (اجر وثواب میں) حج کرنے کے برابر ہے، یا (یہ فرمایا:) میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔''

(باقی صفحہ ۲۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

تاریخ اسلام

قسط نمبر ①

اسلام کی سب سے پہلی جنگ

غزوۂ بدر (۱۷رمضان۲ھ)

فتح ونصرت الٰہیہ کی عظیم مثال

پروفیسر حافظ عبدالاعلیٰ درانی (بریڈفورڈ)

اہل سیر کی اصطلاح میں ''غزوہ'' اس فوجی مہم کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضور ﷺ خود بہ نفس نفیس تشریف لے گئے ہوں، خواہ جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور ''سریہ'' وہ فوجی مہم ہے جس میں آپ ﷺ خود تشریف نہ لے گئے ہوں بلکہ کسی اور کی قیادت میں لشکر روانہ کیا ہو۔

مکہ میں اسلام اور کفر کی کشمکش بارہ تیرہ سال تک مسلسل رہی۔ کفار کے ظلم وستم سے بچتے ہوئے کچھ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر جب مدینے کی طرف عام ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی تو جیسے تیسے ممکن ہوا، مسلمان یہاں ہجرت کر کے آ گئے۔ اب ظاہر ہے اہل مکہ انھیں چین سے تو نہیں رہنے دے سکتے تھے، چنانچہ مشرکین مکہ نے مدینے کے سربرآوردہ یہودی لیڈر عبداللہ بن ابی کو دھمکی آمیز خط لکھا کہ تم نے ہمارے بھاگے ہوئے لوگوں کو پناہ دے کر گویا ہم سے ٹکر لینے کا اعلان کیا ہے۔ ابن ابی تو پہلے ہی رسول اقدس ﷺ کی عزت واکرام سے جلا بھنا بیٹھا تھا۔ اس خط کے ملتے ہی اس نے اپنی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ نبی پاک ﷺ کو منافقوں کی شرارتوں سے جوں ہی آگاہی ہوئی، آپ ﷺ نے ان کو سخت الفاظ میں تنبیہ کر دی جس سے وہ خوفزدہ ہو گئے۔ قریش کی دھمکی رسول پاک تک بھی پہنچی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے راتوں کو پہرہ دلوانا شروع کر دیا تاکہ کہیں قریش رات کی تاریکی میں مدینے پر حملہ نہ کر دیں۔ اور یہ کیفیت برابر طاری رہی تاآنکہ حق تعالیٰ نے آپ کو مکمل حفاظت کا یقین دلا دیا:

''اے رسول! جو کچھ بھی آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے من وعن پہنچا دیجیے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا، اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے، بے شک اللہ کافروں کو آپ کے مقابل کامیاب نہیں ہونے دے گا۔'' (المائدۃ:۶۷)

اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ ﷺ نے تمام مسلح نگرانوں کو ہٹا دیا۔ اہل مدینہ بھی قریشیوں کی یلغار سے غافل نہ تھے، اس لیے وہ ہمہ وقت مسلح رہتے تھے۔ انھی ایام میں حق تعالیٰ نے مظلوم مسلمانوں کو دشمنوں سے قتال کی اجازت عطا فرما دی، ارشاد ہوا:

''اجازت دی جا رہی ہے ان لوگوں کو جن سے کافر جنگ کر رہے ہیں، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں بے شک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنھیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا رب فقط اللہ ہے۔''

(آل عمران:۳۹،۴۰)

بدر کا محل وقوع اور نبی اقدس ﷺ کی منصوبہ بندی:

مدینے سے تقریباً اسی میل مکے کے راستے پر واقع ایک بستی جس کا نام بدر تھا۔ یہ دراصل وہ تجارتی شاہراہ تھی جہاں سے اہل مکہ کا سب سے بڑا تجارتی قافلہ گزرا کرتا تھا۔ جنگی حکمت عملی کے تحت اس شاہراہ پر مسلمانوں کا قبضہ بہت ضروری تھا کیوں کہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ سے دشمن کا ناطقہ بند نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ جہاد کی اجازت ملتے ہی نبی اقدس ﷺ نے آگے بڑھ کر قریش کی اس شاہراہ تجارت کو قابو کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ شاہراہ بحراحمر کے کنارے کنارے شام تک چلی

جاتی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں بدر میں ہر سال یکم ذی قعدہ سے آٹھ روز تک ایک بڑا میلہ لگتا تھا۔ یہاں بنوضمرہ آباد تھے جن کی ایک شاخ بنوغفار تھے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ بدر کے علاقے میں کئی کنویں اور باغات آباد تھے جہاں قافلے عموماً پڑاؤ ڈالتے تھے۔ اس لیے اس شاہرہ کی اہمیت بہت نمایاں تھی۔ اسی طرح اس شاہراہ تک جو قبائل راستے میں آتے تھے انھیں بھی نبی ﷺ نے اپنے ساتھ ملانے کی منصوبہ بندی فرمائی تاکہ وقت تک آنے پر یہ قبائل رکاوٹ نہ بن سکیں۔ اور دوسری طرف قریش کو بھی کان ہو جائیں کہ وہ اللہ و رسول سے بغاوت کر کے فائدے میں نہیں رہیں گے۔

جمادی الاولیٰ ۲ھ میں نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ شام جا رہا ہے۔ آپ ﷺ فوراً اپنے ہمراہ ڈیڑھ یا دو سو مہاجرین کا قافلہ لے کر ذوالعشیرہ پہنچے لیکن آپ ﷺ کے پہنچنے سے کئی دن پہلے ہی یہ قافلہ حدود سے گزر چکا تھا۔ چنانچہ واپسی پر آپ ﷺ نے بنو مدلج اور ان کے حلیف بنوضمرہ سے عدم جنگ کا معاہدہ کیا۔

غزوہ بدر الکبریٰ کا سبب:

تقریباً تین ساڑھے تین ماہ کے بعد یہی قافلہ واپس مکہ آیا۔ اس قافلے میں اہل مکہ کی بڑی دولت تھی۔ ایک ہزار اونٹ جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار کی مالیت کا ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ اور اس کی حفاظت کے لیے چالیس آدمی متعین تھے۔ اس قافلے کی واپسی کی خبر طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما نے دی۔ اہل مدینہ کے لیے یہ بڑا زریں موقع تھا۔ اس لیے نبی اقدس ﷺ نے اعلان عام فرمادیا کہ قریش کا ایک بڑا قافلہ مال و دولت لیے چلا آرہا ہے۔ اس کے لیے نکل پڑو۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بہ طور غنیمت تمھارے حوالے کردے۔ لیکن روانگی ضروری قرار نہیں دی تھی۔ اور اس امر کی بھی توقع نہ تھی کہ آگے چل کر قافلے کی بجائے لشکر قریش کے ساتھ میدان بدر میں معرکہ آرائی کرنا پڑے گی۔ اسی لیے بہت سے صحابہ کرام اس مہم میں شریک ہی نہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا۔

آپ ﷺ کے ساتھ نکلنے والوں کی مجاہدین کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر تھی۔ جن میں بیاسی سے ایک دو کم یا زیادہ مہاجرین تھے اور باقی انصار۔ اس لشکر نے جنگ کی کوئی تیاری نہ کی تھی، چنانچہ پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے جن پر باری باری سوار ہوا جاتا تھا۔ منزل مقصود بدر تھی۔

مکہ خبر پہنچتی ہے:

دوسری طرف مکی قافلے کے سالار ابوسفیان مسلمانوں کے تعاقب سے غافل نہ تھے۔ ابوسفیان کو جب مسلمانوں کی نقل و حرکت کی خبر ملی تو انھوں نے ایک شخص کو مکہ بھیجا کہ وہاں جا کر قافلے کی حفاظت کے لیے قریش میں نفیر عام کی صدا لگائے۔ چنانچہ اس آدمی نے عرب دستور کے مطابق اپنے اونٹ کی ناک چیری، کجاوہ الٹا، کرتا پھاڑا اور بلندی سے چیخ و پکار کی کہ تمھارے قافلے پر محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی حملہ کرنے آرہے ہیں۔ یہ آواز سن کر لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ قافلے کی اہمیت و مالیت کے پیش نظر مکہ کے بہت سے لوگ تیار ہوگئے۔ جو خود نہیں جاسکتے تھے انھوں نے اپنی جگہ کسی اور کو بھیج دیا اس طرح گویا سبھی لوگ نکل پڑے۔ خصوصاً قریشی سرداروں میں سے کوئی پیچھے نہ رہا۔ صرف ابولہب نے اپنی جگہ ایک قرض دار کو بھیجا۔ گرد و پیش کے قبائل کو بھی قریش نے بھرتی کیا۔ البتہ بنوعدی قبیلے کا کوئی آدمی اس مہم میں شریک نہیں ہوا۔ اس طرح تیرہ سو کی تعداد میں لوگ اس قافلے میں نکل پڑے۔ شیطان نے بنو مدلجی سردار کی شکل میں قریشیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اور یہ لشکر ابوجہل کی قیادت میں پورے کرّ وفرّ اور غرور و تکبر کے ساتھ اتراتا ہوا، اپنی شان دکھاتا ہوا تلوار لہراتا ہوا، جوش انتقام سے چور اور جاہلانہ حمیت و غیرت سے مخمور اس بات پر کچکچاتا ہوا مدینے کی طرف روانہ ہوا کہ مسلمانوں کو اہل مکہ کے قافلے

پر آنکھ اٹھانے کی جرأت کیسے ہوئی۔ دوسری طرف سالار قافلہ ابو سفیان کو راستے میں مدنی لشکر کی آمد کا جب پتا چلا تو انھوں نے قافلے کا رخ مغرب کی جانب موڑتے ہوئے ساحل کی طرف کر دیا۔ اور بدر سے گزرنے والی کاروانی شاہراہ کو بائیں ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس طرح قافلے کو مدنی لشکر کے قبضے میں جانے سے بچا لیا۔ اور فوراً ہی مکی لشکر کو جو جحفہ کے مقام تک پہنچ چکا تھا، پیغام بھیج دیا کہ ہمارا قافلہ خطرے کی حد سے باہر نکل آیا ہے۔ لہٰذا اب واپس چلے جاؤ۔ ہم بہت جلد خیر وعافیت سے مکے پہنچنے والے ہیں۔

ابوجہل کی بدبختی:

ابوسفیان کا پیغام سن کر مکی لشکر نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا لیکن ابوجہل جس کی تقدیر اسے مکے سے کھینچ کر لا رہی تھی، اکڑ گیا اور نہایت کبر وغرور سے بولا: واللہ ہم یہاں سے ہرگز واپس نہ جائیں گے۔ بدر جا کر تین دن وہاں ٹھہریں گے۔ ہلا گلا کریں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے۔ شرابیں پئیں گے۔ لونڈیوں کا ناچ گانا سنیں گے۔ سارا عرب ہماری شان وشوکت دیکھے گا۔ اس طرح ہماری دھاک بیٹھ جائے گی اور مدینے والوں پر آئندہ کے لیے دہشت طاری کر دیں گے تاکہ آئے دن ان کے تعاقب کا خطرہ ختم ہو جائے۔ بنوزہرہ کے سردار اخنس بن شریق نے یہی مشورہ دیا کہ واپس چلے چلو لیکن ابوجہل وغیرہ نے اس کی رائے نہیں مانی تو وہ اپنے قبیلے کے تین سو جوانوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ بعد میں جب جنگ بدر کا نتیجہ سامنے آیا تو بنوزہرہ اپنے سردار کی رائے پر حد درجہ شاداں وفرحاں ہوئے۔ بنوزہرہ کے علاوہ بنوہاشم نے بھی چاہا کہ واپس چلے جائیں لیکن ابوجہل نے بڑی سختی سے انھیں روک لیا۔

نئی صورت حال پر نبی کریم ﷺ کا مشورہ:

ادھر جب اس نئی صورت حال سے رسول اقدس ﷺ کو آگاہی ہوئی اور آپ ﷺ نے ان اطلاعات کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا تو آپ ﷺ اس نتیجے پر پہنچے کہ اب ایک خونریز ٹکراؤ کا وقت آگیا ہے۔ کیوں کہ اگر مکی لشکر کو نہ روکا گیا تو اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ وہ مدینے پر یلغار نہیں کرے گا۔

حالات کی اس اچانک اور پرخطر تبدیلی کے پیش نظر آنحضور ﷺ نے ایک اعلیٰ فوجی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی اور ان سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ کچھ لوگوں کو اس غیر متوقع صورت حال سے بہت گھبراہٹ ہوئی کہ ان حالات میں جب کہ ہم کسی جنگی منصوبہ بندی کے بغیر یہاں آئے ہیں، اگر لڑائی لڑی تو نتیجہ بہت خوفناک ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ان کی بے سروسامانی واضح تھی۔ لیکن جلیل القدر صحابہ کرام: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت مقداد بن عمرو اور دیگر مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے روایتی ولولے اور جوش کے ساتھ آنحضور اقدس ﷺ کو اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ اور اپنی جان و مال آپ ﷺ کے حکم پر نچھاور کر دینے کا عندیہ دیا لیکن یہ تینوں اصحاب مہاجرین سے تھے جن کی تعداد لشکر میں کم تھی۔ حضور اقدس ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے معلوم کریں، کیوں کہ معرکے کا اصل بوجھ انھی کے شانوں پر پڑنے والا تھا۔ تعداد کے لحاظ سے بھی ان کی اکثریت تھی۔ اس لیے پھر فرمایا: لوگو! مجھے مشورہ دو۔

آنحضور ﷺ کی منشا انصار نے بھانپ لی۔ اس پر انصار کے علم بردار کمانڈر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بخدا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ ہماری رائے جاننا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ ﷺ کی تصدیق دل وجان سے کی ہے۔ آپ ﷺ جس شریعت کو لے کر تشریف لائے ہیں اس پر ہم نے سمع وطاعت کا عہد ومیثاق کیا ہے۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کا جو ارادہ ہے، اس کے لیے پیش قدمی فرمایئے۔ آپ ﷺ ہمیں اپنے مہاجر بھائیوں سے ہرگز پیچھے نہیں پائیں گے۔ آپ ﷺ ہمیں اس دریا میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم اس میں بلا تامل کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہماری

اطاعت گزاری سے یقیناً آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ آپ ﷺ جس سے چاہیں تعلق استوار کریں اور جس سے چاہیں تعلق توڑ لیں۔ ہمارے مال میں سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں چھوڑ دیں۔ اور جو کچھ آپ ﷺ لیں گے وہ ہمارے لیے اس سے زیادہ پسندیدہ ہوگا جسے آپ ﷺ چھوڑ دیں گے۔ اور اس معاملے میں جو آپ ﷺ فیصلہ فرمائیں گے، ہمارا فیصلہ اسی کے تابع ہوگا۔

انصار و مہاجرین کے ان ایمان پرور بیانات سے آنحضور ﷺ کا رخ انور خوشی سے چمک اٹھا، چنانچہ آپ ﷺ مکی لشکر کے تعاقب میں چل پڑے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''خوشی خوشی بڑھتے چلو۔ حق تعالیٰ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ اس وقت گویا میں قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔''

بدر کی طرف لشکر اسلام کی روانگی:

جب یہ مشاورت ہوئی تب آپ ﷺ وادی صفراء کے قریب تھے۔ مشورے کے بعد آپ وہاں سے چلے اور ثنایا اور الدبہ سے گزر کر حنان کو اپنی دائیں جانب چھوڑ دیا جو ریت کا ایک بہت بڑا ٹیلہ بلکہ پہاڑ ہے اور بدر کے قریب نزول فرمایا۔ یہاں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور فراہمیِ اطلاعات کے لیے خود نکل پڑے۔ اور دور ہی سے مکی لشکر کے کیمپ کا جائزہ لیا۔ ایک بوڑھے عرب سے کچھ پوچھا، پھر شام کو آپ ﷺ نے دشمن کے حالات کا پتا لگانے کے لیے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے ہمراہ چند لوگ بھیجے جنھوں نے بدر کے چشمے سے دو غلاموں کو گرفتار کر لیا جو مکی لشکر کے لیے پانی بھر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے لشکر کی تعداد کا اندازہ لگایا کہ مکی لشکر کی تعداد نو سو سے ایک ہزار ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ معززین قریش میں سے کون کون ہیں؟ تو انھوں نے ربیعہ، اس کے دونوں لڑکے: عتبہ اور شیبہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل اور امیہ بن خلف وغیرہ کے نام گنوائے۔ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمھارے مقابلے میں لا ڈالا ہے۔

قائد اسلام کے لیے عریش (سائبان) کا اہتمام:

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کے لیے میدان جنگ کے شمال مشرق میں ایک اونچے ٹیلے پر چھپر بنا دیا جہاں سے پورا لشکر دکھائی دیتا تھا اور وہاں سے نگرانی بھی کی جا سکتی تھی۔ اور لشکر کو ہدایات جاری کی جا سکتی تھیں۔ آنحضور ﷺ کے اس مرکز قیادت کی حفاظت کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری نوجوانوں کا ایک دستہ متعین کر دیا گیا۔

ترکی دور میں وہاں ایک مسجد بنا دی گئی تھی جس کا نام مسجد غمامہ رکھا گیا تھا۔ جب کہ اس کا اصل نام مسجد العریش ہے۔ اس مسجد کے قریب بدر کا معروف چشمہ واقع ہے۔ ۱۹۸۳ء میں راقم جب مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا، ایک قافلے کے ہمراہ یہاں جانے کا اتفاق ہوا تھا، اب سنا ہے کہ جدید تعمیر ہو چکی ہے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ: فہرست اردو کتب

۲۹۷ء۹۲ ابوالحسن علی ندوی

۳۸۶ا ط طوفان سے ساحل تک، ص: ۲۶۳۔ مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی۔

۲۹۷ء۹ اسرار عالم

۳۹۷ا ع عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال، ص: ۴۵۵۔ قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز۔

۲۹۷ء۹ عبدالحلیم عویس

ع۲۹۰ع عظمت رفتہ مسلم حکومتوں کے زوال کا عبرت آموز جائزہ، ص: ۱۶۰۔ اِدارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء۔

۲۹۷ء۹ عزیز الرحمان

ع۷۷۷ع عالم اسلام کے خلاف سازش، ص: ۹۶۔ ملک محمد جاوید، کورنگی نمبر۲، کراچی۔

فهرست اردو کتب

محمد عطاءاللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور

۲۹۷ء۹ ابن خلدون
خ۶۱ت تاریخ ابن خلدون (حصہ اول، مترجم: شیخ عنایت اللہ)، ص: ۴۴۰۔ جیل روڈ، لاہور۔
۲۹۷ء۹ جلال الدین سیوطی
س۹۸ت بیان الامراء ترجمہ اردو تاریخ الخلفاء (مترجم: شبیر احمد انصاری)، ص: ۵۱۱۔ دی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔
۲۹۷ء۹ انتظام اللہ
ا۸۴۰ت تاریخ ملت (جلد دہم: سلاطین ہند)، ص: ۳۴۲۔ کوہ نور پریس ولا ہور پریس، دہلی۔
۲۹۷ء۹ عبدالقدوس ہاشمی
ع۴۸خ خلافت اسلامیہ، ص: ۲۸۰۔ امانت عامہ، کراچی۔
۲۹۷ء۹۰۴ صلاح الدین یوسف
ی۷۷خ خلافت وملوکیت، ص: ۵۸۴۔ المکتبۃ السّلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور۔
۲۹۷ء۹ ابوالاعلیٰ مودودی
م۹۷خ خلافت وملوکیت، ص: ۳۷۴۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۳/ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔
۲۹۷ء۹۰۴ ابوالاعلیٰ مودودی
م ۹۷ح خلافت و ملوکیت، ص: ۳۷۴۔ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔
۲۹۷ء۹۰۳ محمود احمد عباسی
ع۳۴۱خ خلافت معاویہ ویزید، ص: ۴۸۰۔ محمود احمد عباسی کاشانہ محمود، لیاقت آباد، کراچی۔

۲۹۷ء۹۰۳ ابویزید
ی۳۱خ خلافت رشید ابن رشید، ص: ۱۷۱۔ آئرن مرچنٹ چوک شہید گنج لنڈا بازار، لاہور۔
۲۹۷ء۹ محمود علی
م۵۷۸د دین ودولت، ص: ۲۶۷۔ انجمن حمایت اسلام، لاہور
۲۹۷ء۹ سلیمان ندوی
ن۳۷د دنیائے اسلام اور مسئلہ خلافت، ص: ۵۰۔ خلافت پریس، بمبئی۔
۲۹۷ء۹۰۹ سعید اختر
س۱۷د دوامی تہذیب، ص: ۲۵۶۔ ڈوگر سنز اُردو بازار، لاہور۔
۲۹۷ء۹ ابن خلدون
خ ۶۱ م مقدمہ ابن خلدون، ص: ۱۹۶۔ حمیدیہ سٹیم پریس، لاہور
۲۹۷ء۹۲ محمود احمد غضنفر
م۵۷ش سیر المومنات، ص: ۴۰۰۔ مکتبہ قدوسیہ، لاہور۔
۲۹۷ء۹۲۰۲ محمد جمیل (مجموعہ ۴ عدد)
ا ۱۱۶ج سیرت ابراہیم علیہ السلام، ص: ۲۸۶۔ مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار، لاہور۔
۲۹۷ء۹ محمد حسین گوہر
ح۵۱ش شمع رسالت کے پروانے، ص: ۳۰۴۔ ناشر ایاز ظہیر ہاشمی۔
۲۹۷ء۹۰۱ محمد اسحاق قلبی
ق۶۵۶ش شہادت سید الشہداء اور حضرت ہندہ، ص: ۱۲۶۔ ناشر: اِدارہ تحقیق وتبلیغ، مسلم ٹاؤن، راولپنڈی۔
۲۹۷ء۹ مسعود احمد
م۲۶۱ص صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، ص: ۱۰۳۰۔ جماعت المسلمین، کراچی۔

(باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

اشاعتِ دین کا عظیم مرکز

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور

تعاون کی خصوصی اپیل

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور ملک کا عظیم و منفرد ادارہ ہے جس کی طرف سے دینی لٹریچر چھپوا کر بڑے پیمانے پر مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اب تک مختلف مسائل پر 415 سلسلہ ہائے تبلیغ لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیے جا چکے ہیں۔ دین حق کی اشاعت کا یہ سب کام آپ جیسے مخیّر احباب کے رضا کارانہ تعاون سے انجام دیا جا رہا ہے۔

جامعہ محمدیہ اہل حدیث

ادارہ ہذا کے تحت علاقہ کی معروف درسگاہ جامعہ محمدیہ اہل حدیث بھی قائم ہے۔ محنتی اور فرض شناس اساتذہ تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ مدرسہ میں زیر تعلیم طلباء کے اقامتی و تعلیمی اخراجات جامعہ کی طرف سے برداشت کیے جاتے ہیں۔

شعبہ خدمت خلق

ادارہ ہذا کے تحت شعبہ خدمت خلق قائم ہے۔ جس کے تحت علاقہ کے غریب لوگوں کے گھروں کی تعمیر، موٹر پمپ، ہینڈ پمپ کی تنصیب، غریب مریضوں کے علاج میں اعانت اور غریب طلباء کی اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مدد کی جاتی ہے۔

اپیل تعاون

مخیّر احباب سے پرزور اپیل ہے کہ ماہِ رمضان المبارک میں خصوصی طور پر زکوٰۃ، صدقات مد سے ترجیحی بنیادوں پر تعاون بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بذریعہ بینک

حبیب بینک جام پور اکاؤنٹ نمبر 03-00166008-1107 بنام ادارہ تبلیغ اسلام اہل حدیث۔

مسلم کمرشل بینک جام پور اکاؤنٹ نمبر 9-0201000493-1142 بنام جمعیت اہل حدیث جام پور

جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بذریعہ ڈاک

مولانا محمد یٰسین راہی، مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور۔ 0333-8556473

برکاتِ ماہِ صیام

شکر رب کا آ گیا رمضان ہے
کتنا خوش ہر صاحب ایمان ہے

ہو گئے ہیں در سبھی جنت کے وا
اور روزہ دار واں مہمان ہے

اَبرِ رحمت آ گیا ہے جوش میں
کتنی وافر رحمتِ رحمان ہے

مغفرت رب کی تو ہو گی عام اب
لمحہ لمحہ حامل غفران ہے

باغی اب تو باز آئے جرم سے
ہو چکا شیطان کا چالان ہے

کس لیں ہمت کی کمر جو نیک ہیں
نیکی کرنا ہوگیا آسان ہے

موقع گر ہاتھ سے جانے دیا
پھر تلافی کا کہاں امکان ہے

یہ مہینا اُنس و غم خواری کا ہے
مونس و غم خوار ہی انسان ہے

یوں تو ہیں جنت کے دروازے کئی
خاص روزے دار کو رَیان ہے

اجر مثل روزے دار اس کو ملے
جو کرے افطار کا سامان ہے

منھ سے بو آئے جو روزہ دار کے
مشک سے بہتر ہوا اعلان ہے

ماہِ رمضان نیکیوں کی ہے بہار
چار جانب کھل اُٹھا بستان ہے

جو نہیں کرتا ہے اس کا احترام
وہ بڑا عاصی ہے نافرمان ہے

(عبدالرحمان عاصمؔ)